Paksociety.com
پورا چاند
فاخرہ جبین
READING
Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

فاخرہ جبیں

بڑے صحن میں جھاڑو دینے کے بعد وہ ڈیوڑھی میں پہنچی تھی، جب کسی نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، اماں برآمدے میں چارپائی ڈالے سبزی بنانے میں مصروف تھیں، انہیں متوجہ نہ پا کر اس نے جھاڑو پھینکا اور دروازے تک چلی آئی۔

"کون ہے؟" کنڈی پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے رٹا رٹایا جملہ بولا تھا۔

"ارے زیبی بیٹی! دروازہ کھولو گی یا یوں ہی باہر کھڑا رکھو گی۔" سکینہ خالہ کی جانی پہچانی آواز پر اس نے کھٹ سے کنڈی گرادی۔

"السلام علیکم!"

ناولٹ

"وعلیکم السلام بیٹی، کیسی ہو؟" سکینہ خالہ نے بڑی عجلت میں اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ سنائیں۔" اس نے اپنائیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سے پوچھنا چاہا، مگر وہ اپنی ہی دھن میں یہ جا وہ جا۔

"ہونہہ۔۔۔" اس نے غصے سے پیر پٹخے اور دوبارہ جھاڑو اٹھالی۔ صفائی سے فارغ ہو کر اس نے منہ ہاتھ دھویا اور کچن کی طرف آگئی۔ برآمدے سے گزرتے ہوئے وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ سکینہ خالہ پوری کی پوری اماں کے کان میں گھسنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

جبکہ اماں سبزی چھری ایک طرف رکھے ہمہ تن گوش نظر آرہی تھیں۔ دونوں خواتین اسے دیکھتے ہی جھٹ سیدھی ہو گئیں۔

"زیبی خالہ کے لیے چائے بنالاؤ۔" اماں کے لہجے میں چاشنی ہی چاشنی گھلی تھی۔

"ہاں بیٹی چینی ذرا زیادہ ڈال دینا۔" سکینہ خالہ نے عینک کے پیچھے سے سرتاپا اس کا جائزہ لیا تھا۔

"ہونہہ زہر نہ ڈال دوں۔" اس نے دانت کچکچاتے ہوئے ان کے مٹی سے بھرے جوتوں کو گھورا، جو صاف ستھرے سرخ برآمدے میں نقش و نگار بنا گئے تھے۔ وہ اماں کے پاس سے سبزی اٹھا کر کچن میں آگئی۔ چائے کا پانی چولہے پر چڑھا کر اس نے ایک نظر کھڑکی سے باہر ڈالی۔ اماں اور خالہ سکینہ کی کھسر پھسر دوبارہ شروع ہو گئی تھی۔

"اس کا مطلب ہے پھر کوئی چکر شروع ہو گیا

ہے۔" اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا' پھر سر جھٹک کر چائے کپوں میں ڈال کر اماں اور خالہ سکینہ کو دی۔

"دوپہر کے کھانے میں تو ابھی وقت ہے' میرا خیال ہے پہلے وہ رسالہ پورا پڑھ لوں' ورنہ اسد آج شام کو یوں ہی واپس لائبریری میں دے آئے گا۔" وہ چائے لے کر کمرے میں آگئی اور ادھوری کہانی مکمل کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

ہلکے سے کھٹکے سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے یوں ہی گردن گھما کر دیکھا تو حیران رہ گئی۔

ننھا شیراز آنکھیں جھپکا کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ارے تم کب آئے۔" وہ جھٹ اٹھ بیٹھی۔

"مما بھی ساتھ آئی ہیں؟" اس نے شیراز کو پیار کرتے ہوئے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ اسے یوں ہی اٹھائے باہر آگئی' کچن میں کھٹ پٹ ہو رہی تھی۔ وہ فوراً اس طرف بڑھی۔

"السلام علیکم بھابھی!" اتنے دنوں سے وہ اکیلی بور ہو رہی تھی۔ بھابھی کو دیکھ کر ایک دم ہی اس کے چہرے رونق آگئی تھی۔ وہ کوئی دو ہفتے بعد میکے سے واپس آئی تھیں۔

"تو یہ پہنچ گیا اپنی پھپھو کے پاس۔" شیراز کو اس کی گود میں دیکھ کر وہ مسکرائیں۔

"پھپھو نائیں لالہ۔" شیراز فوراً خفا ہونے لگا تھا۔

"ہاں بھئی لالہ ہی سہی۔" بھابھی نے ایک ہاتھ میں فیڈر پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے شیراز کو اس سے لے لیا۔

"میں نے تو کہا تھا چلو اب کچھ دیر سونے دیتے ہیں لالہ کو' مگر یہ تو وہاں بھی سارے کمروں میں تمہیں ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔" بھابھی اپنے کمرے کی طرف بڑھیں تو وہ بھی ان کے پیچھے ہی چلی آئی۔

"ہاں بھئی کیوں نہ ڈھونڈتا۔ آخر کو اس کی اکلوتی پھپھو ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ اماں کہاں گئی ہیں؟" اس نے ایک نظر باہر دوڑائی۔

"جب میں آئی تھی' تب تو ادھر ہی تھیں' میرا خیال ہے مرغیوں کو دانہ ڈالنے گئی ہیں۔" بھابھی نے شیراز کو لٹا کر فیڈر اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

"اچھا۔ پھر میں دیکھتی ہوں اماں نے ہنڈیا بنائی ہے کہ نہیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"رہنے دو... میں دیکھ لیتی ہوں شیراز ابھی سو جائے گا۔ تم اپنی نیند پوری کر لو۔" بھابھی کو معلوم تھا وہ نیند کی کتنی شیدائی ہے۔

"ارے بھابھی وہ تو رسالہ پڑھتے ہوئے یوں ہی آنکھ لگ گئی تھی' کھانا وانا کھا کر بعد میں نیند پوری کروں گی۔" وہ کہتے ہوئے کچن میں آگئی۔ اماں ہنڈیا پکا چکی تھیں۔

"کمال ہے... میں اتنی دیر سوتی رہی۔" اسے خود پہ حیرت ہوئی۔

وہ فریج سے آٹا نکالنے لگی کہ ابھی کچھ دیر بعد اسد وغیرہ نے آکر شور مچانا شروع کر دینا تھا۔

"اٹھ گئی ہے میری بنو۔" اماں نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے کہا تو وہ خجل سی ہو گئی۔

"اماں میری تو بس یوں ہی ذرا آنکھ لگ گئی تھی۔ آپ نے اٹھایا ہی نہیں مجھے۔"

"اچھا روٹیاں بنا کر انڈوں کا حلوہ بھی ساتھ بنا لینا۔" اماں نے دیسی انڈے باسکٹ میں رکھتے ہوئے کہا اور خود فریج سے دھنیا' ہری مرچ نکالنے لگیں۔

"یہ لیں اماں! منہ میٹھا کریں۔" بھابھی مٹھائی کا ڈبا لیے کچن میں آئیں تو اماں کے ساتھ ساتھ وہ بھی چونک گئی۔

"یہ کس بات کی ہے بھئی۔" اماں نے برفی کا ٹکڑا اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"سہیل کی بات پکی کر دی ہے اماں۔" بھابھی نے کن انکھیوں سے اماں کو دیکھا اور پلیٹ میں مٹھائی

نکالنے لگیں۔
زیبی نے ایک نظر اماں کو دیکھا' منہ کی طرف جاتا ہاتھ ایک لمحے کے لیے رکا تھا۔
"کس کے ساتھ...؟" اماں کے لہجے میں اشتیاق مفقود تھا۔
"ابو کے جاننے والے ہیں۔ لڑکی کا باپ انسپکٹر ہے' پورے علاقے میں دھاک جما رکھی ہے انہوں نے..." بھابھی خوشی خوشی بتانے لگیں۔
"لڑکی بھی اتنی پیاری ہے' گوری چٹی لمبا قد..." بھابھی بتا رہی تھیں اور وہ چپ چاپ اماں کا بجھا بجھا چہرہ دیکھتی رہی۔
دوپہر کھانے کے بعد وہ کمرے میں آئی تو اماں منہ سر لپیٹے پڑی تھیں۔ بھابھی بھی اپنے کمرے میں آرام کرنے جا چکی تھیں۔
"اماں ایسے کیوں لیٹی ہیں؟" اس نے پاس بیٹھتے ہوئے ان کا دوپٹا ذرا سا ہلایا۔
"ویسے ہی..." اماں کے کہنے پر وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ جانتی تھی وجہ کیا ہے۔
"مجھے معلوم ہے آپ کو کیا ہوا ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا' اماں کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ جھنجلا گئی۔
"اماں! اسہیل کوئی دنیا کا آخری لڑکا تو نہیں نا۔ جو آپ اس کی منگنی پر اس طرح افسردہ نظر آ رہی ہیں۔" اماں نے چہرے سے دوپٹا اتار کر اسے دیکھا۔
"یہ بات نہیں ہے زیبی' مجھے تو دنیا کے چلن پہ حیرت ہو رہی ہے۔ ارے جس دن میرا شاہد نوکری پہ لگا تھا میں فوراً بھائی کے در پہ جھولی پھیلائے چلی گئی کہ چار چار جوان بیٹیاں ہیں۔ چلو کچھ بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ مگر انہیں دیکھو۔ ادھر بیٹا برسر روزگار ہوا' ادھر جھٹ غیروں سے میل ملاپ شروع... ارے انہیں ذرا بھی خیال نہ آیا کہ جوان بھانجی گھر میں بیٹھی ہے۔" اماں اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں۔
زیبی جواباً کیا کہتی' خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی اور اماں دل کے پھپھولے پھوڑتی رہیں۔

"کہنے کو یہ اپنے ہیں' ارے کیا فائدہ ایسے اپنوں کا جو اپنی جوان بچیوں کو چھوڑ چھاڑ باہر جھانکتے پھریں۔"
"ادھر وہ سکینہ ہے' ہزار رشتے بتاتی ہے' مگر ذرا جو ڈھنگ کے ہوں' جو ذرا اچھے رشتے لاتی ہے وہ درمیان میں ہی کہیں رہ جاتے ہیں۔" اماں اکتائی ہوئی تھیں۔
"اماں... کوئی رشتہ وغیرہ نہیں ہوتا ان کے پاس' خوامخواہ آپ سے پیسے بٹورنے کے چکر میں رہتی ہیں اور آپ بھی ہر دفعہ ان کے جھانسے میں آ جاتی ہیں۔" اس نے اپنی دانست میں اماں کو حقیقت بتانی چاہی' مگر اماں ایک دم ہی تاؤ کھا گئیں۔
"ارے تو اور کیا کروں میں' ساری عمر یوں ہی گھر میں بٹھائے رکھوں تمہیں۔"
"ہاں تو کس نے کہا تھا' بٹھائیں گھر میں۔" وہ بھی چڑ گئی۔
"اچھا بھلا کہا تھا ایم۔ اے میں ایڈمیشن کروا دیں' دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اور ہم ابھی تک بی اے کے بعد بیاہ کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی' جبکہ اماں اپنا سر تھام کر رہ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"بدتمیز' الو' کمینے۔" کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے جتنی بھی گالیاں ازبر تھیں' اس نے سب دے ڈالی تھیں۔
"شرم نہیں آتی ان لوگوں کو' صبح سے کمر ٹوٹ گئی صفائی کرتے کرتے' مگر..." اس کی آواز بھرا گئی۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ یہ کمرہ صاف کر کے دروازہ بند کر کے گئی تھی۔ مگر اب پھر وہاں چیزیں بکھری دیکھ کر پارہ آسمان تک جا پہنچا تھا۔
"نواب زادے کچن میں بیٹھ کر ناشتا نہیں کر سکتے۔" اس نے ناشتے والے جھوٹے برتن میز سے اٹھائے اور پھر کتابوں والی الماری کی طرف بڑھی۔ نہ جانے کس کتاب کی تلاش میں ڈھیروں کتابیں الماری سے باہر آ چکی تھیں۔
"لگتا ہے بی ایس سی نہیں' پی ایچ ڈی کرنے جاتے

ہیں۔" یہ ساری کارستانی اسد کی تھی' سوا سے ہی کوسا گیا تھا۔ مون اپنے گندے کپڑے اور سلیپر یوں ہی چھوڑ گیا تھا۔ لہٰذا اسے بھی بے بھاؤ کی سنائیں۔ اماں چپ چاپ اس کی بڑبڑاہٹ سنتی رہیں۔ جانتی تھیں کہ اصل غصہ بھابھی کے رویے پر ہے۔ جو جانتی تھیں کہ آج زیبی کو کچھ لوگ دیکھنے آرہے ہیں' مگر اس کے باوجود صبح سے وہ اپنے کمرے میں بند تھیں۔ زیبی نے دبے دبے لفظوں میں اماں سے کہا بھی' مگر انہوں نے نے حسب عادت اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ خوامخواہ بدمزگی پیدا ہو۔

"ہاں بھئی وہ کب چاہتی ہوں گی کہ یہ نند کم' ملازمہ گھر سے رخصت ہو' اتنا کام کرنے پر تو نوکرانیاں ہزاروں روپے بٹور لیتی ہیں۔" وہ اندر ہی اندر جلتی بھنتی رہی۔

"آگے پیچھے تو میری گڑیا' ہماری لالہ' کہتے کہتے منہ نہیں سوکھتا اور آج ایک بار نہیں پوچھا کہ اگر کوئی کام ہے تو مجھے بتاؤ' میں تمہاری بڑی بہن کی طرح ہوں۔"
زیبی نے الماری کے پٹ زور سے بند کیے۔

"بے وقوفوں کی طرح میں ہی صبح سے بھاگی پھر رہی ہوں' جیسے مجھے بہت شوق ہے رشتہ کروانے کا۔" اس نے تمام کام نپٹایا اور نہانے چلی گئی۔ اسد نے اماں کو مطلوبہ سامان لا کر دیا اور خود کالج روانہ ہو گیا۔ ابا اور بڑے بھیا کو اماں نے خود کام پر بھجوایا تھا' کیونکہ زیبی نے صاف صاف کہہ دیا تھا۔

"میں' ابا اور بڑے بھیا کے سامنے بن ٹھن کر مہمانوں کے سامنے پیش نہیں ہو سکتی۔"

سو اماں نے سکینہ خالہ سے کہہ دیا تھا' فی الحال خواتین کو ساتھ لے آئیں۔ لڑکی پسند ہو تو بعد میں بقیہ فیملی کو انوائیٹ کر لیا جائے گا۔

نہا کر اس نے ذرا بہتر کپڑے پہنے' کریم چہرے پر لگا کر نیچرل پنک لپ اسٹک ہونٹوں پہ پھیری اور گیلے بال سوکھنے کے لیے یوں ہی پشت پر کھلے چھوڑ دیے۔ کچن میں آئی تو اماں نے فوراً" سر تا پا اس کا تنقیدی جائزہ لیا۔ سادہ سا روپ تھا' وہ مطمئن ہو گئیں۔ لڑکیوں کا میک اپ کرنا انہیں ویسے بھی زیادہ پسند نہیں تھا۔

وہ لفافے کھول کھول کر بازار سے منگوائی چیزوں کا جائزہ لینے لگی۔ اسی دوران بھابھی شیراز کو گود میں لیے آگئیں۔

"توبہ ہے... صبح سے یہ لڑکا تو مجھے اٹھنے ہی نہیں دے رہا تھا' ابھی بھی اتنی مشکل سے بہلا کر لائی ہوں۔" بھابھی نے آتے ہی وضاحت کی۔

"ہاں بھئی بچہ جو ہوا جو من میں آئے گا وہی کرے گا۔" اماں نے مسکراتے ہوئے شیراز کو دیکھا۔ جبکہ وہ چپ چاپ پلیٹوں پہ کپڑا پھیر کر انہیں خشک کرتی رہی۔

"اماں کیک بھی ساتھ منگوالیتیں۔" بھابھی نے ایک نظر سامنے رکھی چیزوں کو دیکھا۔

"ہاں کیک بھی ہے ساتھ۔ فریج میں رکھ دیا ہے۔"
اماں نے کہا تو بھابھی سر ہلا کر مطمئن ہو کر واپس پلٹ گئیں۔

"ارے کوئی ہے گھر میں۔" سکینہ خالہ کی چہکتی ہوئی آواز صحن میں گونجی۔ ادھر اماں فوراً" کچن سے نکلیں' ادھر ٹھک سے بھابھی کے کمرے کا دروازہ کھل گیا۔ تین خواتین تھیں' اماں کا تعارف خالہ سکینہ نے کروایا اور بھابھی کا تعارف اماں نے۔

"ماشاء اللہ..." وہ خواتین بھابھی کو ستائشی نظروں سے دیکھنے لگیں۔ فل میک اپ میں ان کی صاف رنگت مزید نکھر گئی تھی۔ میرون لپ اسٹک میں موتیوں جیسے دانت چمک رہے تھے۔

"آئیے نا آپ لوگ ادھر آجائیے؟" بھابھی جھٹ انہیں لیے اپنے کمرے کی طرف بڑھیں۔
اماں کے چہرے پہ خوشی کا عکس لہرا گیا۔ دوسرے کمرے میں بس ایویں سا فرنیچر تھا' جبکہ اس کمرے میں بھابھی کے جہیز کا سامان سیٹ کیا ہوا تھا۔

"اچھا ہوا نائمہ کو خود ہی عقل آگئی' ورنہ دوسرے کمرے کو دیکھ کر ان مہمانوں پر کوئی اچھا تاثر نہ پڑتا۔"
بھولی بھالی اماں بہو کی اس حرکت پر نہال ہو گئیں۔ ذرا دیر بعد انہوں نے کچن میں آکر زیبی کو چائے لانے کے

لیے کہا۔ سلیقے سے دوپٹا اوڑھ کر چائے کی ٹرے اٹھا کر وہ اماں کے پیچھے ہی چل دی۔

"توبہ ہے کتنی ہونق لگ رہی ہوں گی میں اس وقت۔" اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سوچا اور اگلے ہی لمحے وہ ٹھٹک گئی۔

نئے کورز' نئی بیڈ شیٹ' ٹیوب لائٹ کی روشنی میں بھابھی کی طرح ان کا کمرہ بھی چمک رہا تھا۔

"یہ ہے ہماری زہی۔" بھابھی نے اسے دیکھ کر فوراً کہا۔ اس نے میز پر ٹرے رکھتے ہوئے مہمانوں کو سلام کیا۔

"بھئی سچی بات ہے۔ ہمارے درمیان نند' بھاوج والا رشتہ ہے ہی نہیں۔ بہنوں کی طرح رکھتی ہوں میں اسے۔"

بھابھی انہیں بتا رہی تھیں۔ زہی چائے سرو کرنے کے بعد اٹھنے لگی تو نوجوان لڑکی نے جو غالباً "لڑکے کی بہن تھی فوراً" اسے اپنے پاس بلا لیا۔ وہ مسکراتی ہوئی اس کے پاس صوفے پہ جا بیٹھی۔

"میرا نام نویدہ ہے۔" اس نے اپنا تعارف کروایا اور ہلکے پھلکے انداز میں زہی کی تعلیم' مشاغل کے بارے میں پوچھنے لگی۔

"مجھ سے چھوٹی نے حال ہی میں ایف۔ اے کیا ہے۔" بھابھی کی بات سن کر وہ ایک دم چونک گئی۔ بھابھی سے چھوٹی صائمہ تو عرصہ تین سال سے ایف۔ اے کر کے گھر بیٹھی ہوئی تھی۔

"ایک سے ایک رشتہ آرہا ہے اس کے لیے' ابو نے تو ابھی سے ٹی۔ وی اور فریج خرید کر رکھ لیا ہے۔ کہتے ہیں' جہیز میں کسی چیز کی کمی نہیں ہونی چاہیے۔"

مہمان خواتین پوری طرح بھابھی کی طرف متوجہ تھیں۔ اس نے ایک نظر اماں کی طرف دیکھا جو اسے اٹھنے کا اشارہ کر رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ اٹھ کر باہر نکل آئی۔ بھابھی کی اتنی تیاری کی وجہ اب ہی سمجھ میں آئی تھی۔

ابھی اسے باہر آئے کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ خالہ سکینہ جو تاگھسیٹتی اس کے پیچھے چلی آئیں۔

"اے زہی یہ تمہاری بھابھی کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔" وہ ایک دم چونک گئی۔

"کیوں کیا ہوا خالہ؟" وہ جان بوجھ کر بے نیاز بن گئی۔

"ارے کوئی گھنٹہ بھر سے۔ میرا میکا' میری بہنیں' یہ تقریر کیے جا رہی ہے۔ یہ کوئی طریقہ ہے بھلا۔ اسے تو چاہیے تھا' تمہاری تعریفوں کے پل باندھ دیتی' اپنی ساس کے گُن گاتی' مگر یہاں تو الٹا ہی چکر چلا ہوا ہے۔" اس نے دیکھا سکینہ خالہ اچھے خاصے غصے میں تھیں۔

"میں تو کہتی ہوں زہی! مہمانوں کو اس وقت بلایا کرو' جب تمہاری بھاوج اپنے میکے گئی ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں خالہ' بھابھی میرے بارے میں بُرا نہیں سوچتیں۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

"آئے ہائے جیسے تیری ماں سیدھی ہے ویسی تو ہے۔" انہوں نے چڑ کر کہا۔

"اچھا چل جو تیری قسمت ہوگا وہ کوئی تجھ سے چھین نہیں سکتا' خواہ کتنے ہی پاپڑ کیوں نہ بیل لے۔" سکینہ خالہ کہتی ہوئی دوبارہ کمرے میں چلی گئیں تو وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

"سب معلوم ہے خالہ! لیکن دوسروں کی خامیوں پر پردہ ڈالنا میں نے اماں سے سیکھا ہے۔" اس نے اٹھ کر فریج کا دروازہ کھولا۔

"اور تم نے ہی تو کہا ہے کہ میری قسمت میں جو ہوگا وہ مجھے مل کر رہے گا۔" اس نے سوچا اور اطمینان سے پانی پینے لگی۔

"زہی جا برتن سمیٹ لے۔" کچھ دیر بعد اماں نے آکر کہا۔

"مہمان چلے گئے۔"

"ہاں۔"

اس نے ایک نظر اماں کے اترے اترے چہرے کو دیکھا اور برتن اٹھانے چلی گئی۔

بھابھی شاید مہمانوں کو رخصت کرنے دروازے تک گئی تھیں۔ وہ سب چیزیں سمیٹ کر کچن میں آئی تو

اماں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"اماں! اب آپ یقیناً" دنیا کے چلن پر حیران ہو رہی ہوں گی۔" اس نے چائے کا کپ اماں کے سامنے رکھا اور خود بھی وہیں دھرنا مار کر بیٹھ گئی۔

"یہ سامان سمیٹ لو پہلے' ابھی بچے آ گئے تو سارا کچھ چٹ کر جائیں گے۔"

اس نے اماں کے کہنے پر ایک نظر انہیں دیکھا اور بڑے اطمینان سے بسکٹ چائے میں ڈبو ڈبو کر کھانے لگی۔

ایک' دو' تیسرے بسکٹ پر اماں نے گھور کر اسے دیکھا۔

"میں کہہ رہی ہوں انہیں سنبھال کر رکھ لو آئندہ کام آئیں گے۔"

"کس کے کام آئیں گے اماں! ہمارے یا بھابھی کے؟" اس نے تلخی سے کہا تو اماں ایک دم خاموش ہو گئیں۔ جانتی تھیں وہ بھابھی سے کتنا پیار کرتی ہے۔ اب ان کے خود غرضانہ رویے پر یقیناً" اسے دکھ تو پہنچنا ہی تھا۔

"میں تو خود حیران ہوں زیبی! سارا وقت بس اپنی بہنوں کی تعریف میں رطب اللسان رہی اور تو اور... لڑکے کی اماں بھی کہہ رہی تھیں' ہمیں تو تمہارے جیسی لڑکی کی تلاش تھی۔ میرا خیال ہے۔ انہوں نے نائمہ کے گھر کا پتا بھی لیا ہے اس سے۔" "اچھا بھلا رشتہ تھا" اماں دکھی ہو رہی تھیں۔

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں اماں جن لوگوں نے رشتے کرنے ہیں وہ لوگوں کو اپنے گھر میں بلوائیں اور اپنا خرچہ کریں۔ میں تو اب اس گھر میں یہ اتنے مہنگے والے بسکٹ نہیں رکھنے دوں گی۔" اس نے بسکٹ اٹھا کر اماں کے سامنے لہرایا اور منہ میں ڈال لیا۔ اماں کو محسوس ہوا وہ ان سے زیادہ خود کو بہلا رہی ہے۔

"ارے یہ اکیلے اکیلے دعوت اڑائی جا رہی ہے۔" اسد نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"نہیں میرے بھائی! تم خوشی سے اس دعوت میں شریک ہو سکتے ہو۔" اس کی فراخدلانہ پیش کش پر وہ وہیں پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

"ویسے کیا میں پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں کہ یہ ساری چیزیں اماں کی تحویل میں جانے کے بجائے ہماری منتظر کیوں ہیں۔" اسد کے ذہن میں یہ ہی خیال ابھرا تھا کہ شاید مہمانوں کی طرف سے کوئی مثبت جواب ملا ہے اور وہ اسی خیال کی تصدیق چاہ رہا تھا۔

"ارے تمہیں معلوم ہی نہیں؟" اس کی شدید حیرت پر اس کو اپنی کم علمی پر خاصی شرمندگی ہوئی تھی۔

"بھئی تمہاری یہ بہن بہت بھاگوان ہو گئی ہے۔" اس نے بھابھی کو کچن میں آتے دیکھ کر قصداً" بلند آواز میں کہا تھا۔

"ہماری بدولت لوگوں کے برسوں سے رکے ہوئے کام پایہ تکمیل تک پہنچ رہے ہیں۔"

"کیوں ہے ناخوشی کی خبر۔" اس نے ہنستے ہوئے اسد کی تائید چاہی۔ جبکہ بھابھی کچن کے دروازے سے ہی واپس چلی گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اماں کتنے ہی دن گم صم سی رہی تھیں۔ اس رشتے کے ختم ہونے کا انہیں بہت قلق تھا اور اس کا اظہار وہ وقتاً" فوقتاً" ابا کے سامنے کرتی رہی تھیں۔ ابا درویش صفت آدمی تھے۔ اس قسم کی فکریں نہیں پالتے تھے' سو ہر دفعہ اماں کو تسلی دینے لگتے۔

"خدا پر بھروسا رکھو زیبی کی ماں... خدا بہت کارساز ہے۔ دیکھنا وقت آنے پر سارے کام خود بخود ہوتے چلے جائیں گے۔"

"ٹھیک ہی تو کہتے ہیں ابا۔ اماں تو اس طرح فکر مند رہتی ہیں جیسے میں اس دنیا کی آخری کنواری لڑکی ہوں۔" اس نے کتاب کا صفحہ پلٹتے ہوئے سوچا۔

"اور کتنا پڑھنا ہے تم نے؟" اسد آنکھوں میں نیند کی سرخی لیے اس کے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"کیوں تم نے کیا کرنا ہے؟"

"یہ بلب کی روشنی سیدھی برآمدے میں میری

چارپائی پہ پڑ رہی ہے۔ روشنی میں نیند نہیں آرہی مجھے۔" اس نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"پھر تم چادر لپیٹ کر سوجاؤ' کیونکہ ابھی میں نے یہ پوری کتاب پڑھنی ہے۔" اس نے "راجہ گدھ" اس کے سامنے لہرائی۔

"اچھا... پھر جلدی پڑھ لو؟" وہ بٹن پر انگلی رکھ کر اطمینان سے کھڑا ہوگیا۔

"بھئی تم پڑھ لو تو میں بھی لائٹ بند کر کے سونے جاؤں۔" اس کی حیرت بھری نظروں کے جواب میں اسد نے وضاحت کی تو اس کی بے اختیار ہنسی نکل گئی۔

"میرا خیال ہے تم اب بھی سوئے ہوئے ہو' اچھا پھر میں صبح پڑھ لوں گی۔" وہ کتاب رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ تو اسد بھی لائٹ بند کر کے بستر پہ چلا گیا۔

☼ ☼ ☼
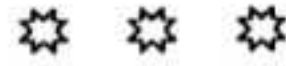
"شی ازاے پریٹی گرل... شی ازاے پریٹی گرل۔" مون گردن اوپر کیے آسمان پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ زہی نے حیرت سے پہلے مون کو دیکھا اور پھر اس کی نظروں کے تعاقب میں آسمان کو دیکھا۔

"یہ تمہیں آسمان پہ کون سی پریٹی گرل نظر آرہی ہے۔" اس نے مون کے سر پہ چپت لگائی اور وہ نہ جانے کس انداز میں بیٹھا تھا کہ کتاب ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری' مون نے بوکھلا کر اسے دیکھا اور پھر فوراً جھک کر کتاب اٹھالی۔

"دھیان سے سبق یاد کرو۔" اس نے سختی سے کہا۔ وہ کوئی گھنٹے بھر سے اس کے ساتھ سر کھپا رہی تھی۔

"کر تو رہا ہوں آپی..." مون نے پھر کتاب کھول لی تو وہ قمیص کی سلائی میں مصروف ہوگئی۔ مون نے اسے مصروف دیکھ کر دوبارہ آسمان پہ نظر دوڑائی۔

"آگیا... آگیا۔" مون ایک دم ہی چیخ اٹھا۔

"ہائے میں مرگئی... کون آگیا۔" اس کے چیخنے پر زہی کا دل سو میل فی منٹ کی رفتار سے بھاگنے لگا تھا۔

"وہ دیکھیں آپی! کوئی گھنٹے بھر سے وہ آسمان پہ گھوم رہا تھا۔ مجھے یقین تھا یہ ضرور آئے گا۔" مون کا جوش دیدنی تھا۔

"یاخدا کون آئے گا؟"

"کمال ہے آپ کو نظر نہیں آرہا وہ دیکھیں نا... سامنے چھت پہ۔" مون نے جھنجلا کر اسے سمجھایا۔

زہی نے مون کے اشارے پر نظر دوڑائی تو گہری سانس لے کر رہ گئی' وہ سفید رنگ کا کبوتر تھا۔ جو چھت پہ بیٹھا غٹرغوں غٹرغوں کر رہا تھا۔

"آپی چلیں' ہم اسے پکڑتے ہیں۔" مون جھٹ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بیٹھے رہو آرام سے۔" زہی نے اسے ڈپٹ دیا۔

"آپی پلیز پکڑ دیں نا اتنا خوب صورت ہے۔" مون نے التجائیہ لہجے میں کہا۔

"کمال کرتے ہو مون! نہ جانے کس کا ہو ہم ایسے ہی پکڑ لیں۔" اس نے مون کو ٹالنا چاہا۔

"جس کا بھی ہو اب تو ہماری چھت پر بیٹھا ہے ناں۔" مون نے ڈرتے ڈرتے اسے قائل کرنا چاہا۔ زہی نے غصیلی نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپی پلیز۔" دنیا جہاں کی معصومیت مون کے چہرے پہ براجمان تھی۔

"چلو مو۔" وہ بادل نخواستہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں آگے پیچھے سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر پہنچ گئے۔ زہی نے دوپٹہ اتار کر ہاتھ میں لے لیا اور جھکے جھکے انداز میں کبوتر کی طرف بڑھی۔ اگلے ہی لمحے اس نے دوپٹہ کبوتر پہ پھینک کر اسے قابو میں کرلیا تھا۔

"ہرا یہ بات ہوئی ناں۔" مون کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا تھا۔ نیچے آکر اس نے کبوتر کو پانی پلایا۔ مون بڑے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرنے لگا۔

"آپی اسے رکھیں گے کہاں؟" مون اسے اپنی ملکیت سمجھ بیٹھا تھا زہی نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا کہ اسی دوران دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی۔ مون بھاگ کر دروازے تک گیا اور پھر واپس آیا تو منہ لٹکا ہوا تھا۔

"آپی وہ لوگ کبوتر لینے آئے ہیں۔"

"لو ہم نے اتنی محنت سے پکڑا ہے تو اب لینے آ گئے ہیں۔" اس کا اپنا دل نہ چاہا کبوتر واپس کرنے کو۔ ابھی وہ بڑی افسردگی سے کبوتر کو دیکھ رہے تھے جب دوبارہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"اُفوہ۔" اس نے گھبرا کر بھابھی کے کمرے کی طرف دیکھا۔ "ابھی اٹھ کر آ جائیں گی اور اچھی خاصی ڈانٹ پڑ جائے گی۔" اسے ان بے صبرے لوگوں پہ غصہ آنے لگا۔

"کیا بات ہے بھئی۔" اس نے دروازے تک آ کر غصے سے پوچھا۔

"وہ جی ہمارا کبوتر آپ کے گھر آیا ہے۔" آنے والے نے مودب ہو کر جواب دیا۔

"کون سا کبوتر؟ ہمارے گھر کوئی کبوتر نہیں آیا۔" اس نے کبوتر دوپٹے کے نیچے چھپا لیا۔ مون اس حکمت عملی پہ جھوم جھوم گیا تھا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ ہم نے خود دیکھا ہے آپ کی چھت پر بیٹھا تھا۔" کسی دوسرے نے تنک کر کہا تھا زیبی نے غصے سے بند دروازے کو گھورا۔

"ہاں آیا ہے پھر کیا کر لیں گے آپ۔" مون سر پہ ہاتھ گرا کر بیٹھ گیا تھا۔ اسے پورا یقین تھا اس کی آپی غصے میں سارا کام خراب کر دیں گی۔

"کرنا کیا ہے خاتون! آپ ہمیں ہمارا کبوتر واپس کریں۔"

"خاتون" زیبی کے تو پتنگے ہی لگ گئے تھے۔

"دماغ تو ٹھیک ہے آپ کا 'یہ خاتون کسے کہا ہے آپ نے؟" اس نے چیخ کر کہا۔

"دیکھیے بی بی۔" جواباً کسی نے کچھ کہنا چاہا۔

"بی بی۔" زیبی کا تو بی پی لو ہونے لگا تھا بی بی کے نام پر۔ سو فوراً دروازہ کھولا اور کبوتر تقریباً ان کے منہ پہ مار کر اس نے ٹھک سے دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔

"ارے آپی یہ کیا کیا ہے آپ نے؟" مون اپنا حیرت سے کھلا منہ بند کر کے اس کے پیچھے لپکا۔

"ہاں تو اور کیا کرتی 'وہ کمبخت بھی تو خاتون اور بی بی پر اتر آیا تھا۔ ایک تو پہلے ہی رشتہ نہیں ملتا اوپر سے یہ خاتون اور بی بی مشہور کروا دیں گے مجھے۔" وہ اپنی ہی دھن میں جل بھن کر کہتی گئی جبکہ مون ناسمجھی کے عالم میں بس اسے دیکھے گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے کمرے میں جھانکا۔ اسد بڑی محویت سے پڑھنے میں مصروف تھا۔ وہ فوراً" کچن میں آ گئی۔ اسد کی سابقہ ہدایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس نے دودھ زیادہ 'پتی تیز اور چینی کم ڈال کر چائے تیار کی۔ پھر کپ لا کر اسد کے سامنے میز پہ رکھا تو اسد نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر کتاب میں گم ہو گیا۔ زیبی نے پہلے تو اس بے توجہی پر اسے گھورا مگر پھر فوراً" منہ کا زاویہ درست کر لیا۔

"اسد! تم میرے اچھے سے بھائی ہو ناں۔" اس نے پیچھے سے جا کر دونوں بازو اس کے گلے میں ڈال کر بڑے پیار سے پوچھا تھا۔

"بالکل اس میں کیا شک ہے" اسد کی نظریں، ہنوز کتاب پر جمی تھیں۔

"پھر میرا ایک کام کر دو ناں۔"

"کون سا؟"

"مستنصر حسین تارڑ کی "کے ٹو کہانی" لا دو۔ بڑی تعریفیں سنی ہیں اس کی۔" جواب اسد کی توقع کے عین مطابق آیا تھا۔

"چھوڑو بھی کیا رکھا ہے ان کتابوں میں 'گھر کے کام وام کیا کرو۔" اسد کے کہنے پر وہ چڑ گئی۔

"کرتی تو ہوں۔ سارا وقت گھر کے کاموں میں ہی گزرتا ہے۔"

"سوری بھئی لائبریری بہت دور ہے 'آنے جانے میں اچھا خاصا وقت نکل جاتا ہے۔" اسد نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"شرم تو نہیں آتی۔" اس نے غصے میں اسد کے بال کھینچ ڈالے۔

"اپنی دفعہ تو بڑے چکر لگتے ہیں۔ میری باری میں

لائبریری دور بہت ہے۔" اس نے اسد کی نقل اتاری۔

"ارے میرے بال تو چھوڑو۔ کیا بدتمیزی ہے یہ۔" وہ جھنجلا گیا۔

"نہیں چھوڑوں گی پہلے کتاب لانے کا وعدہ کرو۔"

"نہیں لا کر دوں گا۔" اسد بھی ضد میں آگیا۔

"کیا؟" وہ چیخ ہی تو پڑی تھی۔ غصے میں اس کے بال مزید زور سے کھینچ ڈالے۔

"ہائے مر گیا۔" اس کے ہاتھ سے گرم چائے چھلک گئی تو اس نے فوراً" گھبرا کر اس کے بال چھوڑ دیے۔

"انتہائی جاہل لڑکی ہو تم۔۔۔" وہ اٹھ کر اپنی قمیص جھاڑنے لگا۔

"اماں تمہارے بارے میں بالکل ٹھیک پریشان ہوتی ہیں۔ کب جاؤ گی تم اس گھر سے اور کب تم سے جان چھوٹے گی۔" وہ جانتا تھا زیبی اس بات سے چڑتی ہے سو فوراً" ہی بدلہ لینے کے لیے کہہ دیا۔

زیبی کو تو پہلے ہی اماں نے اٹھتے بیٹھتے ٹھنڈی آہیں بھر بھر کے احساس کمتری میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اسد کے اس جملے نے اسے مزید تپا دیا۔

"اتنی جلدی ہے جان چھڑانے کی تو انتظار کس بات کا ہے۔ کہیں کنویں میں دھکا دے دو یا زہر کی پڑیا لا دو کھا کر اپنی بھی جان چھڑاؤں اور تم لوگوں کی بھی۔" وہ غصے میں سرخ ہوتی کہہ کر دوسرے کمرے میں گھس گئی۔ اسد حیران پریشان کھڑا اسے دیکھتا رہا اور پھر فوراً" اس کے پیچھے لپکا۔

"ارے زیبی میں تو مذاق کر رہا تھا۔"

"اچھا یار دروازہ تو کھولو مجھے بتاؤ کون سی کتاب لانی ہے۔" وہ بند دروازے کے باہر کھڑا ہو کر پکارنے لگا مگر اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔

"کیا ہوا؟" بھابھی نے اسے باہر کھڑے دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں زیبی ناراض ہو گئی ہے۔" اسد نے منہ بنا کر کہا۔

"ایسی کیا بات ہے بھئی ہم ابھی منا لیتے ہیں اپنی لالہ کو۔" انہوں نے مسکرا کر کہا اور شیراز کو دروازے کے پاس کھڑا کر دیا۔ وہ توتلی آواز میں اسے پکارنے لگا۔

اسد کو یقین تھا اب دروازہ کھل کر رہے گا۔ سو وہ اطمینان سے وہاں سے پلٹ آیا ہاتھ میں پکڑا قلم قمیص کی جیب میں ڈالا اور سائیکل لے کر باہر نکل گیا۔

تقریباً" ایک گھنٹے بعد واپسی ہوئی۔ تو زیبی شیراز کو لیے برآمدے میں بیٹھی تھی۔ اس نے کتابیں لا کر اس کے پاس رکھ دیں مگر زیبی کا موڈ ویسا ہی رہا۔ کتابوں پر اس نے ایک نظر بھی نہ ڈالی تھی۔

اسد نے اس کا سر پکڑ کر چہرہ اوپر کیا۔

"بے وقوف لڑکی! میں صرف مذاق کر رہا تھا۔ تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے بارے میں ایسا سوچ سکتا ہوں۔"

زیبی نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ باہر سے آنے کی وجہ سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

ماتھے پہ ہلکا ہلکا پسینہ ابھرا ہوا تھا۔ وہ صرف ڈیڑھ سال چھوٹا تھا زیبی سے مگر اس کا خیال ہمیشہ بڑوں کی طرح رکھتا تھا۔ زیبی کو ایک دم ہی اس پر ٹوٹ کر پیار آ گیا تو اس نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

اس کی مسکراہٹ سے جیسے اسد کی جان میں جان آ گئی تھی کہ اس کی خفگی برداشت کرنا کم از کم اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا تھا۔

"جتنے سفرنامے ملے ہیں وہ میں لے آیا ہوں۔" اسد نے کتابوں کی طرف اشارہ کر کے کہا تو وہ شرمندہ ہو گئی۔

"اسد۔" اس کی آواز پر اسد پلٹا۔

"آئی ایم سوری۔" اس نے بڑی معصومیت سے کہا تو اسد مسکراتا ہوا دوبارہ کمرے میں آگیا۔

☆ ☆ ☆

"یہ ہی تو المیہ ہے۔ لڑکیوں کی شادی کی عمر ہونے لگے تو ہم انہیں اسکول، کالجز سے ہٹا کر گھروں میں بٹھا لیتے ہیں اور انہیں مجبور کرتے ہیں اس بات پر کہ وہ

اچھے رشتوں کا انتظار کریں اور جب ایسا نہیں ہو تا تو نہ صرف ہم لوگوں کے رویے بدل جاتے ہیں، بلکہ لڑکیاں بھی خود کو ہر لحاظ سے کمتر سمجھنے لگتی ہیں۔" اسد اس ایک واقعے سے ہی جان گیا تھا کہ اماں جو بار بار زیبی کے سامنے اس کی شادی نہ ہونے کا رونا روتی رہتی ہیں تو اس بات نے زیبی کو بھی احساس کمتری میں مبتلا کر دیا تھا کہ شاید اس میں ہی کوئی خرابی ہے۔ لہٰذا اس نے ایک بار اماں کے پاس بیٹھ کر انہیں سمجھایا اور سختی سے منع بھی کر دیا کہ آئندہ زیبی کے سامنے ایسی کوئی بات نہ کی جائے۔ چند دن یوں ہی سکون سے گزر گئے تھے، خود زیبی حیران تھی کہ اماں پر اس کی شادی کا جو بھوت سوار ہوا تھا وہ کیا ہوا؟ مگر بہر حال یہ نئی صورت حال اس کے لیے خاصی اطمینان بخش تھی کہ اب اماں اس کے ہنسنے، کھیلنے پر بار بار نہیں ٹوکتی تھیں۔

محض اتفاق تھا کہ انہی دنوں بڑی پھپھو کی بیٹی رابعہ کی شادی کا کارڈ آ گیا۔ کارڈ کیا آیا اماں کی دبی دبی خواہشات پھر سے جاگ اٹھیں۔

"رابعہ! زیبی سے سال بھر چھوٹی ہے۔" اماں برآمدے میں بیٹھی ابا سے محو کلام تھیں۔

تو اس میں میرا کیا قصور؟ زیبی کمرے میں اوندھی لیٹی ٹانگیں ہلا رہی تھی۔

"لڑکا بینک منیجر ہے۔"

اماں جی! رابعہ کا بڑا بھائی امریکہ میں برسرروزگار ہے اور چھوٹا بھائی انجینئر... بینک منیجر کا رشتہ آ گیا تو اس میں حیرت کس بات کی؟ زیبی نے کروٹ لی۔

"ایک ہماری زیبی ہے۔ کبھی کسی اسکول ماسٹر کا رشتہ آ گیا تو کبھی کسی کلرک کا۔" اماں کے لہجے میں حسرت ہی حسرت تھی۔

ظاہر ہے ہمارے ابا محکمہ مال میں کلرک، بڑے بھیا واپڈا میں کلرک، اس پانچ مرلے کے مکان میں کوئی انیسویں گریڈ کا افسر تو بارات لانے سے رہا۔ زیبی نے چٹیا سے نکلے بالوں کو کس کر پن لگائی۔

"ارے اب بس بھی کرو تمہاری کون سی چھ سات بیٹیاں ہیں، جو ہر وقت یہ ہی فکر سر پہ سوار رکھتی ہو۔" ابا ان کی باتیں سن سن کر اکتا گئے تھے۔

"ارے فکر نہ کروں تو اور کیا کروں" اماں، ابا سے الجھنے لگی تھیں۔

واقعی اماں! تم گھر بیٹھ کر سوائے فکر کے اور کچھ نہیں کر سکتیں، میرا خیال ہے اب مجھے ہی کچھ کرنا ہو گا۔" اس نے اطمینان سے اٹھ کر ہاتھوں سے قمیص کی شکنیں دور کیں اور اٹھ کر آئینے کے سامنے آ گئی اور بڑی تنقیدی نگاہوں سے اپنے چہرے کا جائزہ لیا۔ نقوش غیر معمولی نہ سہی بے حد معمولی بھی نہ تھے۔ آنکھیں تو اچھی خاصی ہیں میری بس آئی بروز کو ذرا سی شیپ دے لینی چاہیے۔ رنگت ہے تو گندمی، مگر شکر ہے کیل مہاسوں سے بچی ہوئی ہے۔ ہاں سب سے ناگوار چیز چہرے پہ چھائی پژمردگی ہے۔ بندے کو ذرا فریش ہونا چاہیے۔

اس نے بڑے غور سے اپنے چہرے کو دیکھا تھا اور پھر اگلے ہی روز اس نے پرانے رسالے نکال نکال کر اپنی جلد کے مطابق ٹوٹکے نوٹ کیے اور بھابھی، اماں سے چوری سب نسخے خود پہ آزمانے لگی، پانی پہلے دن میں بوقت ضرورت پیتی تھی اب جب تھوڑی دیر ہو جاتی غٹاغٹ پانی کا گلاس چڑھا جاتی۔ بال پہلے بھی کندھوں تک تھے مگر ذرا اونچے نیچے تھے ہمسائے کی لڑکی سے کہہ کر برابر ترشوالیے۔ ذرا سے دودھ میں دیسی انڈا ملا کر ہفتے میں دو بار لگائے تو بالوں کا سیاہ رنگ مزید چمک اٹھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اماں میں نے رابعہ کی شادی پر جانا ہے" وہ کتنے ہی دن اماں کے پیچھے پڑی رہی آخر کار بڑی منتوں سے اماں راضی ہوئیں۔ پھر ایک روز بڑی پھپھو نے ہمسائیوں کے گھر فون کیا اور اماں کو خاص تاکید کی۔

"زیبی کو دیکھے عرصہ ہو گیا ہے، میں اپنی بیماری کی وجہ سے آنے سے مجبور ہوں ورنہ خود لینے آ جاتی۔ لیکن اب تم اسے کم از کم دس پندرہ دن پہلے بھجواؤ۔"

یہ پھپھو سب سے بڑی تھیں۔ سو ابا، دادی کی وفات کے بعد ابا انہیں ماں کی جگہ ہی سمجھتے تھے، سو ابا سے اجازت کا مرحلہ خود بخود طے ہو گیا کہ وہ پھپھو کے حکم سے انکار نہیں کرسکتے تھے۔

اماں کے ساتھ جا کر اس نے شادی میں پہننے کے لیے کپڑے خریدے۔ میک اپ کے نام پر اس کے پاس سوائے ایک لپ اسٹک کے کچھ نہیں تھا، سو اب ضرورت کے مطابق کچھ چیزیں خرید لی تھیں۔

جس روز صبح اسد نے اسے بڑی پھپھو کے ہاں چھوڑنے جانا تھا وہ بے حد خوش تھی اور پرجوش بھی۔ ایک طویل عرصہ ہو گیا تھا خاندان بھر کے لوگوں سے ملے ہوئے۔ باقی سب رشتے دار تو ایک ہی شہر میں تھے بس ان کا گھرانہ ہی دوسرے شہر میں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ تمام کزنز سے ملنے کے لیے بے چین تھی۔

اسے بڑی پھپھو کی طرف آئے ہوئے دو روز ہو گئے تھے اور اس عرصے میں اس نے کوئی کام نہیں کیا تھا سوائے اس گھر کے مکینوں کو تاڑنے کے، وہ ہر کسی کی عادات کا بغور جائزہ لے رہی تھی۔

بڑی پھپھو جوڑوں کے درد کی وجہ سے بس اپنے کمرے تک محدود تھیں۔ مگر اس کے باوجود گھر کے تمام معاملات پر ان کی نظر تھی۔ کون آرہا، کون جا رہا ہے، کیا لین دین ہو رہا ہے۔ انہیں خوب خبر تھی۔ ایک ہی کمرے میں محدود ہونے کے باوجود وہ پورے گھر کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھیں۔ ان کے مشورے کے بغیر گھر میں کوئی کام نہ ہوتا تھا اور ان کی ہر بات حکم کا درجہ رکھتی تھی۔

ان کے بعد گھر میں جس فرد کی حیثیت مستحکم تھی وہ صفیہ بھابھی تھیں۔ پھپھو کے بڑے بیٹے کی زوجہ محترمہ، ان کے چار بچے تھے۔ گھر کے تمام کاموں کا بوجھ انہی کے کندھوں پر تھا اور آج کل شادی کی وجہ سے کام اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ وہ گھن چکر بن کر رہ گئی تھیں۔ ان کے بعد رضوان تھا پھپھو کا چھوٹا بیٹا انجینئر تھا اور غیر شادی شدہ، ماں اور بھابھی کے حکم پر ہی چلتا تھا۔ زیبی نے کبھی اسے ان کی مخالفت کرتے یا جھگڑتے نہیں دیکھا۔

اس گھر میں سب سے بے ضرر شخصیت پھوپھا جان کی تھی جو انتہائی مرنجان مرنج قسم کی شخصیت رکھتے تھے۔ رابعہ ان دونوں اپنے کمرے میں کبھی اپنے ہاتھوں، پاؤں اور چہرے کی دیکھ بھال میں لگی رہتی تھی۔ اسی گھر کے دوسری طرف رابعہ کے چچا کا گھر تھا۔ درمیان میں صرف ایک باڑھ تھی، جسے پھلانگ کر وقتاً فوقتاً رابعہ کی کزنز رابعہ کے پاس آجاتی تھیں اور زیبی نے نوٹ کیا تھا کہ ان کے آنے پر صفیہ بھابھی کی یہ ہی کوشش ہوتی تھی کہ رابعہ اپنی کزنز کے ساتھ مل کر اپنے کپڑے وغیرہ سمیٹ لے مگر ان لوگوں کے درمیان صرف رابعہ کا عروسی جوڑا، رابعہ کا میک اپ اور ہیئر اسٹائل موضوع گفتگو بنا رہتا تھا جس سے بھابھی کافی چڑتی تھی۔

غرض اس نے خوب دیدہ ریزی سے کام لے کر جانچ لیا تھا کہ کس فرد کو کس طرح ٹریٹ کرنا ہے۔

لوگوں کے چلن پہ حیران ہونا چھوڑیں زیبی جی.....
لوگوں کے رنگ میں رنگ جائیں بہتری اسی میں ہے۔

اس نے خود کو ہدایت دی اور اگلے ہی روز وہ کمر کس کر میدان میں کود پڑی تھی۔

رات دیر تک کاموں میں الجھے رہنے کی وجہ سے صبح صفیہ بھابھی کی آنکھ کھلی تو باہر ہر طرف اجالا پھیل چکا تھا وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئیں۔

"اتنی دیر ہو گئی یہاں تو ابھی ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔" انہوں نے دوپٹہ کھینچ کر گلے میں ڈالا، پاؤں چپل میں پھنسائے، باتھ روم میں جا کر پانی کے چند چھینٹے منہ پر مارے اور پھر کچن کی طرف بھاگیں۔

"ارے۔" کچن میں زیبی کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئیں۔ ان کی آواز پر زیبی چونک کر پلٹی۔

"آئی ایم سوری بھابھی! اصل میں میری آنکھ جلدی کھل گئی تھی۔ بھوک کا احساس ہوا تو میں کچن میں آگئی۔" اس نے شرمندہ سے لہجے میں وضاحت کی۔

"ارے نہیں بھئی ایسی کوئی بات نہیں، اصل میں رات دیر سے سوئی تھی اس لیے میری بھی آنکھ نہیں

کھلی" چائے پکتے دیکھ کر انہیں قدرے سکون ہوا تھا۔
"اگر چائے بن گئی ہو تو جلدی سے کپ میں ڈال دو میں امی کو دے آؤں وہ ذرا جلدی ناشتا کرتی ہیں" بھابھی نے پھپھو کا ذکر کیا۔
"انہیں میں ناشتہ دے آئی ہوں بھابھی۔" زیبی نے کن انکھیوں سے دیکھا ان کے چہرے پر یکلخت ہی اطمینان ابھر آیا تھا۔
"بہت اچھا کیا تم نے' ناشتے میں ذرا دیر ہو جائے تو ان کا موڈ آف ہو جاتا ہے۔" بھابھی آٹا گوندھنے کی تیاری کرنے لگیں۔
"اچھا اب تم جاؤ باقی میں خود کر لیتی ہوں۔" انہوں نے نرمی سے اسے چولہے کے پاس سے ہٹایا۔
"کوئی بات نہیں بھابھی! مجھے کون سا کوئی اور کام ہے۔ یوں بھی فارغ رہنے کی عادی نہیں اس لیے ان دو دنوں میں خاصی اکتا گئی ہوں میں۔" اس کی بات پر بھابھی بے اختیار مسکرا دیں۔
"ارے بھئی یہاں تو لڑکیاں کاموں سے بچنے کے ہزار بہانے ڈھونڈ لیتی ہیں اور تم ہو کہ کام کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہی ہو۔" بھابھی کی بات پر وہ صرف کندھے اچکا کر رہ گئی۔
"اپنی اپنی عادت ہے بھابھی۔"
"اچھا پھر یوں کرو تم آملیٹ بنا دو میں آٹا گوندھ کر پراٹھے بناتی ہوں۔" بھابھی کو تو ہر وقت کسی ہیلپر کی تلاش رہتی تھی' سو فوراً" بے تکلفی اختیار کر گئیں اور وہ مسکرا مسکرا کر سارے کام نبٹاتی چلی گئی۔
"توبہ ہے پھپھو.... آپ کے بال کس قدر روکھے ہو رہے ہیں' سر بھی خشکی سے بھرا پڑا ہے۔"
بھابھی اور رابعہ بازار چلی گئی تھیں۔ وہ جھٹ تیل کی بوتل اٹھائے پھپھو کے پاس چلی آئی۔
"ارے بیٹی! کتنے ہی دن ہو گئے تیل بالوں کے قریب بھی نہیں پھٹکا' ہر کوئی اپنے دھندے میں الجھا ہوا ہے۔ اتنی توفیق کہاں کہ کوئی دو بوندیں تیل کی میرے سر میں ڈال دے۔" پھپھو خاصی بے زار بیٹھی تھیں۔

"ایک ہمارا زمانہ تھا ہر روز اپنی ساس کے سر میں تیل کی مالش کرتے' کپڑے بدلواتے' بال بناتے' وہ ہماری خدمت سے خوش ہوتیں اور ہم ان کی دعاؤں سے۔" زیبی دلچسپی سے پھپھو کی باتیں سننے لگی۔
"مگر آج کل تو بزرگوں کی کوئی وقعت نہیں رہی۔ جیسے تیسے ہم لوگ اپنا وقت پورا کر رہے ہیں اور ہمارے بچے بھی بڑے صبر سے ہمیں برداشت کر رہے ہیں۔"
"ایسی تو کوئی بات نہیں پھپھو۔" اس نے تیل ان کے سر میں انڈیل کر مساج شروع کیا۔
"آپ کے بچے تو آپ سے بے حد پیار کرتے ہیں اور تو اور صفیہ بھابھی آپ کی تعریف کرتے نہیں تھکتیں۔" اس نے ذرا مبالغے سے کام لیا۔ بڑھاپے میں قدم رکھتے ہی انسان خود کو دوسروں پر بوجھ تصور کرنے لگتا ہے۔ وقتاً" فوقتاً" انہیں یہ احساس دلاتے رہنا چاہیے کہ وہ ہمارے لیے کس قدر اہم ہیں' یہ زیبی کا اپنا نظریہ تھا سو وہ پھپھو کو پوری طرح یہ احساس دلا رہی تھی۔
"میری تو ہمیشہ سے خواہش رہی ہے بزرگوں کی دعائیں سمیٹنے کی مگر بدقسمتی سے ہوش سنبھالتے ہی دادا' دادی وفات پا گئے۔ نانا وغیرہ کی طرف ویسے بھی کبھی کبھار ہی جاتے تھے۔" پھپھو اس کی باتوں پہ ہنکارا دے رہی تھیں۔
"ویسے زیبی بیٹی! تمہارے ہاتھوں میں نرمی بہت ہے۔" پھپھو کو نیند کے جھونکے آنے لگے تھے۔ اس نے مساج کرنے کے بعد ان کے بال بنائے اور جب وہ تیل کی شیشی اٹھا کر کمرے سے باہر نکلی تو پھپھو اسے دعائیں دیتے دیتے باقاعدہ اونگھنے لگی تھیں۔

☆ ☆ ☆

زیبی اور بھابھی ڈھیر سارے کپڑے ادھر ادھر پھیلائے لاؤنج میں بیٹھی تھیں' بھابھی تمام جوڑے استری کر کے انہیں تہ کر کے ڈبوں میں پیک کرتی جا رہی تھیں کچھ کپڑے جن پر کڑھائی کا کافی کام کیا ہوا تھا

انہیں ہینگر میں لٹکا کر پنوں کی مدد سے سیٹ کرتی جارہی تھیں۔ وہ صوفے پر بیٹھی قمیص کی ترپائی کے ساتھ ساتھ بھابھی کی بڑبڑاہٹ بھی سنتی جارہی تھی۔

"پہلی دفعہ دیکھی ہے ایسی لڑکی جہیز کا سارا سامان یہاں سے وہاں بکھرا پڑا ہے اور محترمہ خود چوبیس گھنٹے کبھی کھیرا چہرے پہ سجائی بیٹھی رہتی ہیں اور کبھی کوئی ماسک" وہ رابعہ کی سستی سے سخت نالاں تھیں۔

"یہ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اچانک ہی وہ پلٹیں تو چھوٹے کاشف کو جھڑک دیا جو بڑے مزے سے کامن پنوں کا ڈبہ کھولے بیٹھا تھا۔

"ہزار دفعہ کہا ہے مت چھیڑا کرو چیزوں کو" انہوں نے اس کے ہاتھ سے جھپٹا۔

"چلو اٹھو یہاں سے آؤ تمہارے باپ کے پاس چھوڑ کے آؤں تمہیں۔" انہوں نے اسے ایک بازو سے پکڑ کر گھسیٹا۔

"سارا سال باہر عیش کرتے ہیں، اب چار دن کے لیے آئے ہیں تو بچوں کو بھی نہیں سنبھال سکتے۔" وہ سخت جھنجلائی ہوئی تھیں۔ بولتی ہوئی باہر نکل گئیں اور وہ مسکراہٹ چھپا کر اپنے کام میں مصروف رہی۔

"السلام علیکم" کسی بھاری مردانہ آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

کوئی اجنبی ہی تھا اس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے دوپٹہ کاندھوں پر پھیلایا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"صفیہ بھابھی کہاں ہیں" آنے والے نے پوچھا تو وہ سمجھ گئی کہ یہ یقیناً" بھابھی کے جاننے والے ہوں گے۔

"آپ بیٹھیں پلیز میں دیکھتی ہوں" اس نے قمیص ایک طرف رکھی اور پاؤں صوفے سے نیچے اتارے۔

"ہائے..." کوئی چیز بڑے زور سے اس کے پاؤں میں چبھی تو اس نے برق رفتاری سے پاؤں واپس کھینچ لیا۔ جبکہ اس کی "ہائے" پر وہ اجنبی بیٹھتے بیٹھتے رک گیا تھا۔

"ہائے میں مر گئی" زیبی کے پاؤں میں کامن پن آدھی سے زیادہ گھسی ہوئی تھی اور یہ دیکھتے ہی زیبی کی آدھی سے زیادہ جان ہوا ہو گئی تھی۔

"اسے نکال لیجیے ناں" آنے والے نے اسے آنکھیں پھاڑ کر اپنے پاؤں کی طرف تکتے دیکھ کر کہا۔

"کیسے نکالوں؟" زیبی نے اسے ایسے گھورا جیسے اس کی دماغی حالت پہ شبہ ہو۔

"ہاتھ سے" جواباً" اس کی آنکھوں میں ابھرنے والا تاثر بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

"ہائے اماں جی..." دو موٹے موٹے آنسو خود بخود اس کی آنکھوں میں آگئے۔ ڈرتے ڈرتے ہاتھ پن کی طرف بڑھایا۔ دانت سختی سے ایک دوسرے پر جما کر پن کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ ذرا سے ہلنے پر درد کی تیز لہر پاؤں میں دوڑ گئی اس نے جھٹ ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

"اوہ بھئی، معمولی سی تو پن ہے لائیں میں نکال دیتا ہوں۔" وہ صوفے سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔

"نن... نہیں... نہیں ہاتھ مت لگائیے گا درد ہوتا ہے۔ میں خود ہی نکال لوں گی۔" اسے اٹھتے دیکھ کر اس نے بے اختیار دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے پاؤں پکڑ لیا۔

"ارے کیا ہوا؟" بھابھی اسی دوران آئیں اور اسے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"بھابھی یہ" اس نے پاؤں کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ تو بھئی ان کو نکالوں ناں یونہی پاؤں پکڑ کر کیوں بیٹھی ہو۔"

وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھیں اور اس کے "نہیں نہیں" کرنے کے باوجود انہوں نے سختی سے اس کا پاؤں پکڑ کر ایک جھٹکے سے پن باہر نکال دی خون کا سرخ قطرہ وہاں ابھر آیا تھا۔

"یہ سب اس کاشی کی کارستانی ہے ساری پنیں یہاں بکھیر گیا ہے۔" بھابھی نے جھک کر ساری پنیں دوبارہ ڈبے میں بند کیں۔

"ہاں بھئی حماد تم سناؤ، کیسے ہو؟" بھابھی آنے والے کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"بالکل ٹھیک ہوں یہ ممانے کچھ ساڑھیاں بھجوائی

ہیں۔ رابعہ کو دکھادیں جو پسند ہوں وہ الگ کردیں۔"
اس نے بڑا سا شاپر بھابھی کی طرف بڑھایا۔
"ہاں۔۔۔ یہ لے جاؤ زیبی۔۔۔ رابعہ اپنے کمرے میں ہو گی۔" بھابھی نے شاپر اس کے ہاتھ میں تھمادیا اور اس دفعہ اس نے بڑے احتیاط سے پاؤں نیچے رکھا تھا۔
"بھابھی۔۔۔ یہ۔۔۔؟" حماد نے سوالیہ نظروں سے زیبی کو دیکھا۔
"ارے ہاں بھئی میں نے تعارف تو کروایا ہی نہیں۔" بھابھی خوامخواہ ہی ہنس دیں۔
"یہ ماہ زیب ہے' رابعہ کے ماموں کی بیٹی۔"
"اور زیبی یہ حماد حسن ہے۔ میرے چھوٹے تایا کی سالی کی دیورانی کے بیٹے ہیں۔"
"ہائیں" زیبی نے حیرت سے بھابھی کو دیکھا۔ اسے اتنے لمبے چوڑے رشتے کی کچھ سمجھ نہیں آئی تھی مگر چونکہ بھابھی اسے بتا کر دوبارہ حماد کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں اس لیے وہ کندھے اچکا کر رابعہ کے پاس آگئی تھی۔

✡ ✡ ✡

رابعہ کی مایوں کی رسم ادا ہو گئی تھی سارا گھر مہمانوں سے بھر گیا تھا' ہر کمرے میں خوش گپیوں' قہقہوں' سرگوشیوں کی آوازیں ہمہ وقت گونجتی رہتی تھیں۔ ہر کوئی بے فکری کے مزے لوٹ رہا تھا۔ وقت پر کھانا' وقت پر چائے' کبھی کسی کو موضوع گفتگو بنالیا جاتا' کبھی کسی نئی تازی خاندانی خبر پر گھنٹوں بات چیت ہوتی رہتی تو جوان لڑکیوں کو نت نئے کپڑے دکھانے کا ایک سنہری موقع مل گیا تھا۔
زیبی نے پھرتی اور ہوشیاری کے تمام ریکارڈ توڑ دیے تھے۔ کسی مہمان خاتون کا بچہ رو رہا ہو تا وہ جھٹ بچے کو پچکارتی ہوئی وہاں سے لے جاتی کوئی کھلونا دیتی' گدگدی کرتی اور ذرا سی دیر میں ہنستا کھلکھلاتا بچہ ماں کی گود میں واپس دے جاتی۔ کوئی خاتون سر درد کی شکایت کرتی' وہ دو منٹ میں چائے کا کپ اور سر درد کی گولی ان کے ہاتھ میں تھما جاتی۔ کھانا کھلاتے وقت وہ مسلسل دھیان رکھتی کہ کسی کے پاس سالن ختم تو نہیں ہوا' چاولوں کی ڈش خالی تو نہیں۔ کون بچہ پانی کے لیے رو رہا ہے وہ ہر ایک کی ضرورت کا بخوبی خیال رکھتی۔ پھپھو کا کھانا خود ان کے کمرے میں لے کر جاتی۔
صفیہ بھابھی کے ساتھ مل کر اس نے رابعہ کے جہیز کا سارا سامان سیٹ کر کے ایک کمرے میں بند کروادیا تھا' رات کو مہمانوں کے لیے سونے کے انتظام کی ذمہ داری بھی اسی کے سر تھی اور وہ اپنا چین آرام' کھانا پینا پس پشت ڈال کر یہ سب کام کر رہی تھی کہ یہ سب کام اسے کرنے تھے' بلکہ اسے کرنے پر مجبور کیا تھا۔ سکینہ خالہ کی ترحم آمیز نظروں نے' اماں کے ہمہ وقت واویلوں نے اور بھابھی نائمہ کے لبوں پہ چھپے چھپے تبسم نے' سو وہ یہ سب کر رہی تھی۔
اس روز بھی وہ کچن میں تمام بچے ہوئے کھانے فریزر میں محفوظ کر رہی تھی۔ جب رضوان چلا آیا۔ اس نے ایک نظر مصروف سی زیبی پر ڈالی پھر ادھر ادھر دیکھ کر واپس پلٹنے کو تھا جب زیبی کی نظر اس پر پڑی۔
"کچھ چاہیے تھا؟" اس نے بے اختیار پوچھا تھا۔
"چائے بنوانی تھی مگر آپ تو پہلے ہی خاصی مصروف ہیں۔" اس نے ذرا توقف سے کہا۔
"کوئی بات نہیں میں بنا دیتی ہوں۔" وہ مڑ کر دیگچی اٹھانے لگی۔
"میں اپنے کمرے میں ہوں۔" رضوان ایک نظر اسے دیکھ کر چلا گیا۔ زیبی نے چائے کا کپ تیار کیا۔ مگر کچن کے دروازے سے نکلتے نکلتے رک گئی۔
"کیا مجھے خود جانا چاہیے؟" اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔
پھر اس نے وہیں سے کسی بچے کو آواز دی اور چائے رضوان کے کمرے میں بھجوادی۔
"یہاں تو ذرا سی بات کا جھٹ افسانہ بن جائے گا۔" اس نے سوچا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔
"ارے تربیت تو کی ہے ہماری بھاوج نے زیبی کی۔"

پھپھو کے کمرے میں جاتے ہوئے وہ ٹھٹک گئی۔ اپنا نام سنتے ہی فطری سا تجسس اس کے دل میں ابھرا تو اس نے وہیں رک کر کان دروازے سے لگا دیے۔

"ادھر سے ادھر پھرکی کی طرح گھومتی رہتی ہے، مجال ہے جو کبھی کمر سیدھی کرتے دیکھا ہو اسے۔۔۔ جب سے آئی ہے میری خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، آتے جاتے کھڑے کھڑے پوچھ جاتی ہے کہ پھپھو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ارے میں کہتی ہوں میری اپنی رابعہ نے کبھی میرا اتنا خیال نہیں رکھا۔" پھپھو کے لہجے میں اس کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

"یہ بات تو آپ نے بالکل ٹھیک کہی آپا! لڑکی واقعی بڑے گنوں والی ہے اور پھر ہر وقت ہنستی مسکراتی رہتی ہے، کبھی ماتھے پہ بل نہیں دیکھا نہ کبھی چڑ کر بولتے سنا ہے۔" کوئی اور خاتون بھی پھپھو کی ہاں میں ہاں ملانے لگیں۔

"جب سے زیبی آئی ہے سچ میرا تو بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔" بھابھی کی آواز پر وہ ایک دم چونک گئی۔ اپنی تعریف سنتے سنتے وہ بھول گئی تھی کہ وہ یہاں بھابھی کو بلانے آئی تھی سو فوراً قدموں کی چاپ پیدا کرتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا۔

"بھابھی، آپ کو صفدر بھائی بلا رہے ہیں۔" اس نے سر اندر کر کے بھابھی کو پیغام دیا اور ان کے سر ہلانے پر واپس پلٹ گئی۔

وہ اس وقت "میں بن پتنگ اڑی جاؤں رے" کی عملی تفسیر نظر آ رہی تھی۔

گویا میرا مسئلہ تھوڑا تھوڑا حل ہو رہا ہے۔ یہاں تو سب لوگ میرے گرویدہ نظر آ رہے ہیں لیکن صرف گرویدہ ہونے سے کیا حاصل؟ بات کچھ آگے بھی تو بڑھنی چاہیے۔ وہ کمرے میں آ کر بیڈ پر گر گئی۔

اماں نجانے کب آئیں گی۔ آخر انہیں بھی تو معلوم ہو ان کی بیٹی کتنے گنوں والی ہے۔ اسے اماں کا شدت سے انتظار تھا۔

کھانا لگنے میں ابھی کافی وقت تھا سو زیبی بھی ڈھولک بجاتی لڑکیوں کے پاس آ گئی۔ ہر گھر میں ڈش ٹی وی سی آر کی سہولت موجود تھی اسی لیے تمام لڑکیاں نئے نئے گانے گا کر ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہی تھیں وہ بس چپ چاپ ان کے ساتھ بیٹھی تالیاں بجاتی رہی۔

"اے ثناء ذرا مجھے پانی تو پلاؤ" ڈھولک ذرا دیر کے لیے رکی تو رابعہ کی چچی نے اپنی بیٹی کو پکارا۔

"زیبی پلیز؟" ثناء ملتجی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ارے وہ بھی تو مہمان ہے اس گھر میں۔۔۔ اسے بھی دو گھڑی بیٹھے رہنے دیا کرو۔" انہوں نے زیبی کو اٹھتے دیکھ کر فوراً بیٹی کو ٹوک دیا۔

"مہمان کہاں امی! زیبی تو گھر والی ہی لگتی ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں بمشکل دس روز ہوئے ہیں اسے یہاں آئے ہوئے اور ہر زبان پر اسی کا نام ہے۔" ثناء کے کہنے پر زیبی نے چونک کر اسے دیکھا وہ بڑی گہری نگاہوں سے زیبی کو دیکھ رہی تھی۔ زیبی اس کے تاثرات کو کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔

"ارے لڑکیو۔۔۔ جلدی اٹھو یہاں سے۔" منیبہ بھابھی بوکھلائی ہوئی سیڑھیاں اتر رہی تھیں۔

"سارا آسمان گرد آلود ہو رہا ہے۔ بس آندھی شروع ہونے والی ہے، آندھی کیا طوفان آئے گا۔" وہ مسلسل بولتی ہوئی نیچے آ گئیں۔

"میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی گھٹن سی ہے ماحول میں، کچھ نہ کچھ آئے گا ضرور" پھپھو نے اپنا اندازہ ظاہر کیا۔

آندھی کا لفظ سنتے ہی زیبی ایک دم ہی گھبرا گئی تھی۔ گھر میں آسمان ذرا رنگ بدلتا تو اماں ہنگامہ کھڑا کر دیتی تھیں۔ فلاں چیز اٹھا لو، فلاں چیز ڈھانپ دو، دروازے کھڑکیاں بند کر دو اماں ہدایت دیتی رہتیں اور وہ کبھی ادھر کبھی ادھر بھاگ بھاگ کر ہلکان ہو جاتی تھی۔

اور اب یہاں تو اتنا سامان بکھرا ہوا تھا اس نے ایک نظر صحن میں دوڑائی۔

"آپ سب لوگ اٹھ کر کمروں میں چلیں تاکہ چارپائی یہاں سے اٹھا لیں۔" بھابھی کے کہنے پر سب

خواتین اٹھنا شروع ہوگئیں۔
زہی نے فوراً ”ادھر ادھر دوڑتے بچوں کو قابو میں کرنا شروع کیا۔
”طوفان آنے والا ہے ساری مٹی آنکھوں میں چلی جائے گی بھاگ جاؤ کمرے میں۔“
وہ بچوں کو ڈرا ڈرا کر کمرے میں بھیجنے لگی پھر صحن سے چارپائیاں اٹھا اٹھا کر برآمدے میں کھڑی کرنے لگی۔ رابعہ کی کزن ثمینہ اس کی مدد کروانے لگی۔ ہوا میں تیزی آنے لگی تھی' زہی نے بھاگ کر تمام کمروں کے دروازے' کھڑکیاں بند کرنے شروع کردیے۔
”زہی بہن ادھر آؤ ذرا۔“ بھابھی صفیہ نے عجلت میں اسے پکارا کہ کاشی ان کی گود میں رو رہا تھا۔
”کچن میں ساری چیزیں یونہی کھلی پڑی ہیں' انہیں اچھی طرح ڈھانپ کر اوپر کوئی کپڑا ڈال دو کھانے میں مٹی نہ چلی جائے اور مٹھائی کے ڈبے بھی وہاں میز کے نیچے رکھے ہیں' انہیں وہاں سے اٹھا کر الماری میں رکھ دو مگر تالا یاد سے لگا دینا۔ یہ لو چابی سنبھال کر مجھے واپس پکڑا دینا۔“ بھابھی اسے ہدایت دے کر کمرے میں چلی گئیں اور وہ کچن میں آگئی اور پھر تمام کام کرکے جب وہ کچن کا دروازہ بند کر رہی تھی اسی وقت بجلی چلی گئی۔
”لو یہ ایک اور مصیبت ابھی بچوں کی بھاں بھاں سے پورا کمرہ گونجنے لگے گا۔“ اس نے جھنجلا کر سوچا۔
باہر واقعی طوفان کی سی صورت حال تھی۔ بارش نام کو نہیں تھی بس آندھی زور پکڑتی جارہی تھی۔ وہ اندازے سے ہی ٹٹول ٹٹول کر کمرے میں داخل ہوگئی اور دروازے کے پاس ہی کھڑی ہوگئی۔
”آگے معلوم نہیں گزرنے کی جگہ ہے بھی کہ نہیں“ اس نے سوچا۔
اسی دوران گھپ اندھیرے میں بچے کے رونے کی آواز آنے لگی تھی۔ زہی حیران ہوئی کمرے میں موجود سب بچے ماؤں کی گھرکیوں سے ڈر کر چپ چاپ بیٹھے تھے۔ یہ آواز یقیناً ”باہر سے آرہی تھی۔
”یہ کوئی بچہ رو رہا ہے اسے پکڑلیں۔“ بچے کی روتی آواز کے ساتھ کوئی مردانہ آواز ابھری تھی۔
”کہاں ہے بچہ؟“ زہی نے وہیں کھڑے کھڑے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی۔
”یہاں ہے دروازے کے پاس۔“
زہی نے ہاتھ آگے بڑھا کر اندازاً ”بچے کو ڈھونڈنے کی کوشش کی۔
”رونے کی آواز تو یہیں سے آرہی ہے۔“ اچانک اس کے ہاتھ میں بچے کا بازو آیا تو اس نے اسے شرٹ سے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹ لیا۔
”باقی سب لوگ تو یہاں ہیں' تم کہاں رہ گئے تھے۔“ زہی نے بھنا کر پوچھا۔
”ارے یہ کیا کررہی ہیں آپ“ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتی اچانک ہی اس کی کلائی مردانہ ہاتھ کی گرفت میں چلی گئی تھی۔
”یہ لیجیے بچہ۔“ بچے کا ہاتھ باقاعدہ اس کے ہاتھ میں دے کر کہا گیا تھا۔
وہ شرمندگی سے اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھی۔ قدموں کے جانے کی آواز ابھری تو اس میں حرکت ہوئی۔
”امی...امی۔“ بچہ سسک رہا تھا۔
”بھئی یہ کس بچے کی امی ہے' اففو میرا مطلب ہے یہ کس امی کا بچہ ہے“ اس کا دل اپنا سر پیٹ لینے کو چاہا۔
”ارے میرا ہے۔ محسن اپنے ابا کے پاس تھا۔ آندھی سے ڈر کے رو رہا ہوگا۔“
کسی کونے سے مطلوبہ امی بولیں تو اس نے سکون کا سانس لے کر بچہ آگے پارسل کردیا۔
”معلوم نہیں یہاں کہیں بیٹھنے کی بھی جگہ ہے کہ نہیں۔“ اس نے آہستگی سے آگے بڑھ کر بیٹھنے کو جگہ تلاش کی۔
”یہ غالباً ”بیڈ ہے۔“ اس نے ہاتھ سے محسوس کیا اور پھر وہیں کنارے پہ ٹک جانا چاہا۔
”آ... ہائے میرا پاؤں گیا“ کوئی نسوانی چیخ بلند ہوئی اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
”یا اللہ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔“ اس نے منہ پہ دوپٹہ رکھ کر بمشکل ہنسی ضبط کی۔

"کون ہے یہاں پر؟" اسی پاؤں والی نے کھا جانے والے لہجے میں پوچھا تھا۔ زہی چپ چاپ اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔
"کیا ہو رہا ہے بھئی کوئی موم بتی وغیرہ ہی منگوالو۔" کسی اور خاتون نے مشورہ دیا۔
"رضوان ایمرجنسی لائٹ کا بندوبست کر رہا ہو گا۔ اتنی دیر میں کلثوم بتی منگوا لیتے ہیں۔ زہی کہاں ہو بھئی تم؟" بھابھی نے اسے پکارا مگر وہ چپ چاپ جہاں کھڑی تھی وہیں قالین پر بیٹھ گئی۔
"ٹک ... کون ہے؟" کپکپاتی ہوئی سرگوشی اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ چند لمحے آواز پہچاننے کی کوشش کرتی رہی اور پھر چونک گئی۔
"ثمینہ یہ تم ہو؟"
"اوہ زہی!" اس کی سرگوشی کے جواب میں ثمینہ نے چہکنا چاہا مگر اس کی "شش" پر وہ بھی دبک گئی۔
"چپ رہو دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر موم بتی لانا میرے لیے ممکن نہیں۔" زہی نے ثمینہ کے کان میں سرگوشی کی۔
"تو کیا ہم دونوں یہیں ...؟" ثمینہ کی ہنسی کا فوارہ ابلنے لگا تو وہ بھی اپنا قہقہہ روکنے کی کوشش میں بے حال ہو گئی۔
صبح وہ اٹھی تو بھابھی پہلے ہی کچن میں ناشتا تیار کر رہی تھیں۔ زیادہ تر لوگ ابھی بستروں میں ہی تھے کہ رات کو بجلی آتے اور پھر کھانا کھاتے کافی دیر ہو گئی تھی۔ وہ باہر نکلی تو منہ بسور کر رہ گئی۔ برآمدوں اور صحن میں جیسے کسی نے منوں مٹی لا پھینکی ہو۔ اسے سخت چڑ تھی آندھی کے ان رہ جانے والے اثرات سے' سو اب بھی اس سے رہا نہ گیا تو پائپ لگا کر برآمدے دھونے شروع کر دیے۔ پانی کی موٹی دھار سے چکنا فرش ایک دم صاف ستھرا ہو گیا۔ اسے اس کام میں بے حد لطف آ رہا تھا کہ اس کے اپنے گھر میں اینٹوں کا فرش تھا جس کو دھوتے وقت خاصی مشقت کرنی پڑتی تھی۔
برآمدوں کے بعد صحن کی باری آئی تھی۔ وہ بڑے مگن سے انداز میں گرد آلود دیواروں پہ پانی بہا رہی تھی جب اسے اپنے آس پاس کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ رضوان تولیہ کندھے پہ رکھے حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"بھئی یہ اتنی صبح صبح آپ کو کیا سوجھی؟"
"صبح؟" زہی نے برآمدے میں لگے کلاک پر نظر دوڑائی پورے نو بج رہے تھے۔
"میرا مطلب ہے بھابھی نے کسی عورت کو کام کے لیے بلوایا تھا وہ کر لیتی یہ سب۔" رضوان نے اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ کر دوبارہ کہا۔
"فی الحال تو وہ عورت آئی نہیں اور نجانے کب تک آئے گی۔ میرا تو اس وقت تک برا حال ہو جاتا اتنی مٹی دیکھ کر۔" اس نے پانی کی پھوار اپنے پاؤں پر ڈالی اور بعد میں پانی بند کر دیا۔
رضوان جواباً کچھ نہیں بولا تھا بس ایک نظر اس کے دھلے دھلائے' صاف ستھرے پیروں پر ڈالی اور باتھ روم میں گھس گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

آج مہندی کی رسم ہونی تھی اور پروگرام کے مطابق آج ہی اماں ابا کو بھی آنا تھا لہٰذا وہ بڑی بے چینی سے ان کی منتظر تھی۔ دھیرے دھیرے شام ہونے لگی تھی وہ اکتا سی گئی' دور دراز کے مہمان بھی آ چکے تھے اور اس وقت وہ چائے کا کپ لیے کچن سے نکلی تھی جب اچانک دروازے پر ابا اور مون کا چہرہ نظر آیا۔ مون بھاگ کر اس سے لپٹ گیا تھا۔
"اماں کیوں نہیں آئیں؟" اس نے چائے کا کپ مہمان خاتون کو دے کر ابا سے پوچھا۔
"ہاں وہ تمہاری ممانی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی' نائمہ وہاں چلی گئی تھی اس لیے تمہاری اماں کو گھر پہ رکنا پڑا۔" ابا نے اسے بتایا۔ ابا بہت کم کہیں آتے جاتے تھے اس لیے ان کی تینوں بہنیں انہیں گھیرے میں لیے گلے شکوے کرنے لگی تھیں اور وہ ثمینہ کو ابا کی آمد کا بتانے کمرے میں بھاگ گئی تھی۔
ثمینہ نے اسے دیکھتے ہی "ہیلپ می" کا نعرہ لگایا تھا

کہ وہ گھٹنے بھر سے مہندی کے تھال سجا رہی تھی۔

"ارے تم یہاں اکیلی پھنسی ہوئی ہو۔" زیبی اس کے پاس ہی بیٹھ گئی اور خود بھی اس کی مدد کرنے لگی۔

بارات دوسرے شہر سے آئی تھی اس لیے ظاہر ہے وہ دوسرے شہر سے مہندی لگانے تو نہیں آسکتے تھے۔ البتہ سب کزنز نے مہندی سجا کر ہلا گلا کرنے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔

"ویسے میرا خیال ہے تمہارے یہاں قیام کا مستقل پروگرام بنایا جا رہا ہے۔" باتوں کے دوران اچانک ہی ثمینہ نے کہا تو وہ ایک دم چونک گئی۔

"کیا مطلب؟" وہ بات سمجھ گئی تھی مگر دانستہ انجان بن گئی۔

"کل تائی اماں، تایا جی سے بات کر رہی تھیں کہ مجھے زیبی بے حد پسند ہے۔ رابعہ کی شادی کے بعد بھائی بلوچ کے کانوں میں بات ڈال دوں گی۔" ثمینہ بتا رہی تھی اور زیبی کے آس پاس پھلجھڑیاں چھوٹنے لگی تھیں۔

ارے واہ اماں! تم خوامخواہ مجھے اتنا عرصہ بد قسمت قرار دیتی رہیں۔ ساری عمر تو گھر میں بند رکھا مجھے، نہ کسی نے دیکھا بھالا، نہ پسند کیا اب دیکھنا ایک نہیں کئی پتھر آئیں گے تمہارے گھر میں۔" اس کی نظروں کے سامنے وہ خواتین گھوم گئیں جن کی آنکھوں میں بارہا اس نے اپنے لیے پسندیدگی کے آثار دیکھے تھے۔

"کیا بات ہے، بہت خوش ہو رہی ہو۔" ثمینہ نے اس کے لبوں پہ ہلکا سا تبسم دیکھ کر چھیڑا۔

"قبل از وقت کسی بات پر کیا خوش ہونا؟" اس نے فوراً سنجیدگی اختیار کی۔

"میں تو اس موم بتی پہ ہنس رہی ہوں جسے میں ہر بار تھال میں لگاتی ہوں اور یہ ہر بار کسی بوڑھی عورت کی طرح جھکنے لگتی ہے۔" اس نے موم بتی ثمینہ کے سامنے لہرائی تو وہ بے اختیار ہنس دی۔

"تم کب تک یونہی ماسیوں والے حلیے میں گھومتی رہو گی۔" وہ خالی برتن لیے کچن میں داخل ہی ہوئی تھی، جب ثمینہ نے برتن اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر سنک میں رکھے اور پھر بازو سے گھسیٹتی باہر لے گئی۔

"بھئی صبر تو کرو میں چل رہی ہوں تمہارے ساتھ۔"

"تمہاری وجہ سے ابھی تک میں نے کپڑے نہیں بدلے۔۔۔ اور میرا خیال ہے اگر تمہیں دیکھتی رہی تو اسی حلیے میں سونا پڑے گا مجھے۔" ثمینہ نے اسے کمرے میں دھکیلا اور پھر دروازہ بند کر دیا۔

"سنو۔۔۔ کون سا پہنوں ان میں سے۔" زیبی نے دو سوٹ نکال کر ثمینہ کے سامنے لہرائے۔

"میرا خیال ہے یہ ٹھیک رہے گا" ثمینہ نے سیاہ جارجٹ کے کرتے کو منتخب کیا جس پر گولڈن دبکے کا نازک سا کام کیا ہوا تھا۔ ساتھ میں گولڈن شلوار اور بلیک ہی دوپٹہ تھا۔ کپڑے بدل کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آئی تو وہاں ہر قسم کا میک اپ کا سامان بکھرا ہوا تھا۔

"لگتا ہے خوب تیاری کی گئی ہے۔" اس نے فاؤنڈیشن کریم اٹھالی۔

"ارے کوئی ایسی ویسی۔۔۔ تم ثناء کو دیکھو تو حیران رہ جاؤ گی۔ میرون گھاگھرا پہنا ہے اس نے، فل میک اپ کے ساتھ بڑی زبردست لگ رہی ہے۔" ثمینہ نے بال برش کرتے ہوئے کہا۔ فاؤنڈیشن کریم لگانے کے بعد اس نے ہلکا سا فیس پاؤڈر لگایا اور براؤن لپ اسٹک کم لپ لائنر سے ہونٹوں کو خوب صورت شیپ دے کر وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔

"بس؟" ثمینہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"نہ کوئی آئی لائنر، نہ بلش آن، نہ مسکارا۔۔۔"

"بس یار اتنا ہی ٹھیک ہے" وہ بیٹھ کر ثمینہ کو میک اپ کرتے دیکھنے لگی۔

"ویسے بھی اماں نے خاص تاکید کی تھی کہ میک اپ چہرے پہ تھوپنے کی ضرورت نہیں شادی شدہ اور کنواری لڑکیوں میں فرق نظر آنا چاہیے۔"

"اوہو تو اماں کی نصیحت پر عمل کر رہی ہو۔ واہ بھئی تم تو واقعی بہت "بی بی" ہو۔" ثمینہ نے لپ گلوس

ہونٹوں پر لگا کر آخری بار آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔
تیار ہو کر وہ دونوں باہر نکلیں تو اس حصے میں خاصی خاموشی تھی گھر کے پچھلی طرف بنے بڑے سے باغ سے ڈھولک کی آواز آ رہی تھی اور لڑکیوں کے گانے کی بھی۔ وہ سیدھی وہیں چلی گئیں۔ روشنی کا خوب انتظام کیا ہوا تھا۔ رابعہ پیلے سوٹ میں سر جھکائے سب لڑکیوں کے درمیان بیٹھی تھی۔
"زیبی۔۔۔ پلیز۔۔۔ میں کیمو وہیں ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں بھول آئی ہوں وہ اٹھا لاؤ۔"
بھابھی اسے دیکھتے ہی بولی تھیں۔
"چلو ایک یہ مصیبت رہتی تھی ابھی۔" ثمینہ کے منہ بنانے پر اسے ہنسی آگئی۔
وہ دونوں راہداری سے مڑیں تو اچانک ہی کوئی سامنے آگیا۔
"واہ بھئی آج تو لوگ پہچانے ہی نہیں جا رہے۔"
وہ حماد حسن تھا اس کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھتا ہوا۔
زیبی نے اس بے تکلفی پر خاصی ناگواری سے اسے گھورا تھا۔
"وہ مجھے صفیہ بھابھی سے کچھ کام تھا کہاں ہوں گی وہ؟" حماد نے فوراً" سنجیدگی سے پوچھا۔
"معلوم نہیں ہم ہر وقت انہیں جیب میں تو نہیں رکھے پھرتے۔" اس کے چڑ کر جواب دینے پر ثمینہ نے اسے کہنی ماری۔
"وہ پیچھے باغ میں ہیں۔" ثمینہ نے کہا تو وہ ایک طرف ہو کر آگے گزر گیا۔
"بے وقوف لڑکی یہ اس گھر کے خاص مہمانوں میں سے ہے۔ سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے انہیں۔"
"کیوں گھر میں صوفے کرسیاں نہیں ہیں؟" اس کے سوال کو ثمینہ نے نظر انداز کر دیا تھا۔
"اتنا بڑا گھر ہے ان کا دیکھو تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔"
"ہوگا ہمارے کس کام کا۔" اس نے دراز کھول کر کیمو نکالا۔
"بہن کوئی نہیں ان کی۔۔۔ وہ بڑے بھائی ہیں، لاکھوں کا جہیز لائی ہیں ان کی بھابیاں۔" ثمینہ پوری طرح متاثر نظر آ رہی تھی۔
"ہماری طرف سے اروں کھربوں کا لے آئیں۔"
ثمینہ نے اس کی بے زاری دیکھی تو مزید معلومات دینے کا ارادہ مسترد کر دیا۔ کیمو لے کر وہ واپس آئیں تو رضوان انہی کے انتظار میں تھا۔ کیمو اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے زیبی نے نوٹ کیا کہ اسے دیکھتے ہوئے رضوان کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے حیرت سی ابھری تھی۔

☼ ☼ ☼

"دولہا بھائی۔۔۔ دودھ پی لیجیے۔"
"ہم نہیں پیتے" دولہا کے کورے جواب پر سب کزنز نے حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھا تھا۔
"کیوں دولہا بھائی؟"
"ہم جانتے ہیں دودھ کا یہ گلاس ہمیں بہت مہنگا پڑے گا۔" انہوں نے طائرانہ نظر حسینوں کے جم غفیر پر ڈالی۔
"اف۔۔۔ دولہا بھائی تو بہت کنجوس ہیں" زارا کا صدمے سے برا حال ہو گیا۔
"دولہا بھائی ذرا حوصلے سے کام لیجیے۔ فی بندی ایک ہزار روپیہ دے دیجیے گا۔"
"صرف پندرہ سولہ ہزار نکلیں گے آپ کی جیب سے" ثناء نے سارا زور "صرف" پر دیا تھا۔
"پندرہ سولہ ہزار۔۔۔ اور وہ بھی صرف" دولہا کے دوستوں کی حیرت کے مارے آنکھیں پھٹ گئیں۔
"میں بے ہوش ہونے والا ہوں۔" دولہا کا چھوٹا بھائی زیادہ ہی کمزور دل واقع ہوا تھا۔
"کوئی بات نہیں ہم آپ کو آپ کے ہی موزے سونگھا کر ہوش میں لائیں گے۔"
ثنا ان کی ایکٹنگ پر چڑ گئی تھی۔
"دیکھیں جی میں واقعی دودھ نہیں پیتا" دولہا بھائی نے بیچارگی سے انہیں یقین دلانا چاہا۔

"اب ہم دودھ پلائی کی رسم میں آپ کو پیسے تو پلا نہیں سکتے۔" ثمینہ ہنسا اٹھی۔

"ارے بیٹا ذرا سا چکھ لو' رسم ہی تو پوری کرنی ہے ناں۔" کسی بزرگ خاتون نے بڑا مفید مشورہ دیا تھا۔ دولہا نے جیسے تیسے گھونٹ بھر کر گلاس واپس کیا اور جیب کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

"خدا کا شکر ہے؟" سب لڑکیوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

"ہائیں؟" ان کا اطمینان بھرا سانس درمیان میں ہی دم توڑ گیا تھا۔

دولہا صاحب نے نہایت اطمینان سے جیب سے رومال نکال کر منہ صاف کیا' رومال دوبارہ جیب میں گھسایا اور ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے۔ لڑکوں کی دبی دبی ہنسی پر لڑکیاں روہانسی ہو گئی تھیں۔

"بھائی! مزید تنگ مت کریں ان کے اترے چہرے دیکھ کر ہمارے دل کو کچھ ہونے لگا ہے۔" دولہا کا بھائی واقعی بہت کمزور دل رکھتا تھا۔ سو اس کی سفارش پر دولہا نے ہاتھ دوبارہ جیب میں ڈالا اور اس دفعہ اس کے ہاتھ میں ہرے ہرے نوٹ دیکھ کر لڑکیاں خوشی سے جھوم گئی تھیں۔

رابعہ کی رخصتی کے بعد ہر ایک پر جیسے ایک دم ہی تھکن آن وارد ہوئی تھی۔ خواتین ایک دوسرے کے کانوں میں منہ دیے رابعہ کے سسرال والوں پر تبصرہ فرما رہی تھیں۔ لڑکیاں ایک کمرے میں اپنی تھکن اتار رہی تھیں' ساتھ ساتھ بری کے جوڑوں پر بات چیت چل رہی تھی۔

"ہائے خدا کے لیے کوئی مجھے کھانے کو کچھ لا دے۔" زارا قالین پہ پھسکڑا مارے بیٹھی تھی۔

"میں کپڑے بدلنے جا رہی ہوں واپسی پر تمہارے لیے کچھ لیتی آؤں گی۔" زہبی کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں ہیں آپ کی وزیر خاص؟" وہ باغ میں مون کو دیکھنے آئی تھی جب کچن کی کھڑکی سے رضوان کی آواز سن کر ٹھٹک گئی۔

"کون۔۔۔ زہبی۔۔۔؟" بھابی بھی کچن میں موجود تھیں۔

"جی ہاں وہی انہیں دیکھ کر ہمیشہ یہ احساس ہوتا ہے کہ ساری دنیا انہی کے کندھوں پر چل رہی ہے۔" رضوان کا لہجہ اسے مضحکہ خیز لگا تھا۔

"بھئی اس میں کوئی شک نہیں' وہ واقعی بہت ذمہ دار لڑکی ہے۔" بھابی نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے تو پسند ہے ہی' امی بھی اسے بہو بنانے کے لیے تیار بیٹھی ہیں۔"

"واٹ؟" رضوان اس انکشاف پر حیرت زدہ رہ گیا تھا۔

"ایسی کیا بات نظر آ گئی ہے اس میں جو آپ لوگوں نے جھٹ پٹ یہ فیصلہ کر لیا۔"

"بھئی اس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک لڑکی میں ہونی چاہئیں' گھرداری میں ماہر ہے' خوش اخلاق ہے' خدمت گزار ہے' شکل و صورت کی بھی اچھی ہے اور کیا چاہیے؟" بھابی نے حیرت سے پوچھا تھا۔ زہبی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑکی کے قریب کھسک گئی تھی۔

"اس کی خدمت گزاری امی کو اور گھرداری آپ کو متاثر کر سکتی ہے بھابی۔۔۔ میں اپنی بیوی میں جو خوبیاں دیکھنا چاہتا ہوں ان میں سے کوئی ایک خوبی بھی زہبی میں موجود نہیں ہے۔" رضوان کے تلخ لہجے پر باہر کھڑی زہبی اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھی۔

"کیوں ایسی کون سی خوبیاں چاہتے ہیں آپ اپنی بیوی میں؟" بھابی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"دیکھیں بھابی! آج میں صرف ایک انجینئر ہوں لیکن صرف چند ماہ بعد میں اپنی کمپنی کی طرف سے کینیڈا جا رہا ہوں اور اس کے بعد آپ جانتی ہیں میرا اسٹیٹس کتنا ہائی ہو جائے گا اس زہبی جیسی لڑکیاں ہائی سوسائٹی میں موو نہیں کر سکتیں۔ یہ صرف ہانڈی چولہا یا گھر کی صفائی ستھرائی کر سکتی ہیں اور بس۔" زہبی کو لگا اس کے آس پاس کی زمین ہل رہی ہے۔

"اور آپ خود سوچیں بھابی! یہ سب کام تو چند سو

روپے کے عوض ملازم بھی کر سکتے ہیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا نوکری اور گھرداری میں کوئی فرق ہی نہیں؟" بھابھی کے لہجے میں کڑواہٹ گھل گئی تھی کہ وہ خود بھی مکمل طور پر ہاؤس وائف تھیں۔

"مجھے معلوم ہے آپ کو اچھا نہیں لگے گا مگر میں بہرحال ایسا ہی سمجھتا ہوں۔ میں ایسی بیوی چاہتا ہوں جو ویل ڈریس ہو' ہر نئے فیشن سے آگاہ ہو' خود کو سنوارنا جانتی ہوں۔ کسی محفل میں میرے ساتھ جائے تو میں سر جھکا کر نہیں سر اٹھا کر اس کے ساتھ چلوں اور کل دیکھا تھا آپ نے زیبی کو لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ شادی کے فنکشن کے لیے تیار ہوئی ہے۔"

"اس کے والدین زیادہ فیشن پسند نہیں کرتے اس لیے وہ اس قدر سادہ نظر آرہی تھی۔" بھابھی نے کمزور لہجے میں اس کا دفاع کیا تھا۔

"یہ ہی تو میں سمجھا رہا ہوں آپ کو.... متوسط گھرانے سے تعلق رکھنے والی لڑکیاں مسلسل والدین کے دباؤ میں رہتی ہیں۔ انہیں نہ شخصی آزادی حاصل ہوتی ہے' نہ مالی اور جب انہیں یہ سب ملتا ہے تو وہ توازن برقرار نہیں رکھ سکتیں یا تو اپنے خول میں سمٹ کر رہ جاتی ہیں یا پھر ان کی عیاشیاں حد سے بڑھ جاتی ہیں۔"

"بس کرو رضوان! تم متوسط گھرانے کی لڑکیوں میں اس طرح عیب نکال رہے ہو جیسے تم کوئی جدی پشتی لینڈ لارڈ ہو۔" بھابھی کے لہجہ میں غصہ چھلک رہا تھا۔

"جدی پشتی تو نہیں البتہ مستقبل کا لینڈ لارڈ ضرور ہوں۔ آپ امی سے کہہ دیں زیبی کو چھوڑیں ثناء کے بارے میں سوچیں اس میں نہ صرف میرے مطلوبہ اوصاف ہیں بلکہ مالی لحاظ سے بھی مضبوط بیک گراؤنڈ رکھتی ہے۔" رضوان بول رہا تھا مگر زیبی کے صبر کی حد یہیں تک تھی۔ وہ سرپٹ بھاگتی ہوئی کمرے میں آکر بند ہوگئی تھی۔

"اتنی ذلت" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

"کیا سمجھتی تھی میں پھپھو اور بھابھی کی خدمتیں کر کر کے انہیں رام کرلوں گی اور رضوان ان کی مرضی پہ فوراً" سر جھکا دے گا.... نہیں یہ کوئی ناپسند کھانا نہیں تھا کہ جسے بھابھی کے کہنے پر وہ فوراً" کھالیتا' نہ ہی یہ پھپھو کا بے وقت بازار جانے کا آرڈر تھا کہ وہ اپنے موڈ کی پروا کیے بغیر بازار چل دیتا۔ یہ اس کی پوری زندگی کا معاملہ تھا اسے پورا حق تھا فیصلہ کرنے کا مگر اس نے یہ سب کیوں کہا؟" وہ تکیے میں منہ دیے پھوٹ پھوٹ کر رودی تھی۔

"میرے ماں باپ کی جائز پابندیوں کو میرا عیب بنادیا" ہاں میں ثناء کی طرح ڈیکوریشن پیس بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ میں صرف ہانڈی چولہا کرسکتی ہوں' صرف جھاڑو پوچھا کرسکتی ہوں.... کہ میری تربیت میں بس یہ ہی کچھ شامل ہے۔

پاگل تھی میں.... یہ بھول گئی تھی کہ یہ دولت اور حسن پہ مرنے والی دنیا ہے۔ میری جیسی متوسط گھرانے کی لڑکیاں کلرک اور اسکول ماسٹروں کے گھر چلا سکتی ہیں اور بس۔" اس کے آنسو تھمنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے۔

"یہ سب میرے اپنے اعمال کی سزا ہے۔ میں نے سب کے ساتھ کھیل کھیلا تھا' نتائج کی پروا کیے بغیر' میں نے بچوں کے بہتے آنسو صاف کیے کیونکہ اس میں میری اپنی غرض شامل تھی۔ میں نے بزرگوں کی خدمت کی تو اپنے مفاد کی خاطر' جب نیت ہی کھوٹی تھی تو یہ ہی حاصل ہونا تھا۔ کیا ہوتا اگر خود کو سپر ثابت کرنے کی کوشش نہ کرتی؟ اماں کچھ راتیں اور جاگ کر گزار لیتیں۔ سکینہ خالہ "بیچاری" کہہ کر میری خراب قسمت پر اظہار افسوس کرلیتیں' کیا ہوتا اگر میری ہم عمر تمام لڑکیاں بیاہی جاتیں' کم از کم آج خود سے شرم تو نہ آرہی ہوتی' خدا کی ناراضگی تو نہ سہنی پڑتی۔" اس نے دوپٹے سے آنکھیں اور چہرہ خشک کیا۔

اس روز جب چھوٹی پھپھو نے سر دبانے کو کہا تھا تو میں ہنستے مسکراتے ان کا سر دبانے لگی تھی پر دل میں تو ایک ہی خواہش ابھر رہی تھی کہ گلا نہ دبادوں۔

اور جب صفیہ بھابھی کے بیٹے نے میرے سامنے سے سالن کی پلیٹ اپنی طرف کھسکالی تھی جبکہ مجھے بے تحاشا بھوک بھی لگی تھی تو میں نے مسکرا کر کہا تھا "چلو تم کھالو۔" جبکہ دل میں تاؤ کھا کر چیخی تھی۔

"موٹا پیٹو اللہ کرے ہضم نہ ہو۔"

ہائے اب کیا ایک ایک سے جا کر معافی مانگوں اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ بے چین ہو گئی تھی۔

لیکن سب لوگ کیا سوچیں گے اور میں کیا کہہ کر معافی مانگوں گی۔ وہ اٹھ کر کمرے میں چکر کاٹنے لگی۔

"اللہ میاں جی! بس ایک بار معاف کر دیں آئندہ کبھی ایسا دوغلا پن نہیں کروں گی، بھلے ساری عمر کنواری بیٹھی رہوں۔" وہ فوراً" سجدے میں گر گئی تھی۔

رضوان کی باتیں اس کے ذہن سے ایک دم ہی غائب ہو گئی تھیں۔ بس یہ احساس دل میں جاگزیں تھا کہ وہ گناہ گار ہے لہٰذا کتنی ہی دیر وہ سجدے میں گری آنسو بہا کر اپنے گناہ کی معافی مانگتی رہی اور اس وقت چونکی جب مون دھڑ دھڑ دروازہ بجا رہا تھا۔

"کیا ہے؟" اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

"آپی لائٹ تو جلائیں" مون کے کہنے پر اسے اندازہ ہوا رات ہو چکی تھی اور کمرے میں گھپ اندھیرا تھا اس نے آگے بڑھ کر لائٹ جلادی۔

"ابا کہہ رہے ہیں اپنا سامان پیک کرلیں ہم لوگ صبح روانہ ہو جائیں گے۔" مون اسے پیغام دے کر بھاگ گیا تھا۔ اس نے باتھ روم میں جا کر چہرے کو خوب دھویا کہ رونے کے سب آثار مٹ جائیں اور پھر تولیے سے چہرہ خشک کر کے باہر نکل آئی۔ راہداری سے مڑتے ہوئے وہ کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ اس نے ایک طرف ہو کر گزرنا چاہا، سامنے والا کھسک کر سامنے آگیا تھا۔ وہ دوسری طرف بڑھی مگر وہ دیوار بنا جوں کا توں پھر سامنے کھڑا تھا۔

"کون بدتمیز ہے یہ۔" اس نے راہداری کے آخری سرے پہ لگے بلب کی روشنی میں سامنے والے کو پہچاننا چاہا۔ وہ حملو حسن تھا۔ صفیہ بھابھی کے تایا کی سالی کا نجانے کیا کیا۔؟

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم صفیہ بھابھی کہاں ہیں۔" وہ گردن موڑ کر باغ کی طرف دیکھنے لگی۔

"جی... میں نے کچھ اور پوچھنا تھا۔"

"پھر کبھی پوچھ لیجیے گا مجھے ذرا کام ہے۔" اس نے مصروف سے انداز میں کہہ کر آگے بڑھنا چاہا مگر راستہ ابھی بھی بلاک تھا۔

"پلیز بہت ضروری بات ہے۔" وہ ستون پر ہاتھ ٹکا کر مزید پھیل گیا تھا۔

"جی... پوچھیے۔" اس نے جان چھڑانی تھی سو فوراً" کہہ دیا۔

"ول یو میری می؟"

(مجھ سے شادی کرو گی؟) اس کا سوال ٹھک سے اس کے کانوں سے ٹکرایا تھا۔

"جی...؟" زیبی نے اسے نیم تاریکی میں گھورنا چاہا۔

"کیا ہوا انگلش سمجھ میں نہیں آتی۔"

"نہیں۔" اس کے مسکراتے لہجے پر وہ جل گئی تھی۔

"کوئی بات نہیں نکاح اردو میں پڑھوالیں گے۔" اس نے گویا مسئلہ حل کر دیا تھا۔

"دیکھیے میں واقعی آپ کے بارے میں سنجیدہ ہوں" اس کی خاموشی پر حملو نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"یہ ٹل اونر" اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا جو بڑی ایمانداری سے اس کے سامنے کھڑا اپنے جذبوں کا اظہار کر رہا تھا۔

"حملو صاحب میں ایک معمولی سے کلرک کی بیٹی ہوں اور میرا پانچ مرلے کا گھر تنگ و تاریک گلیوں میں واقع ہے۔" اس کا سر اٹھا ہوا اور لہجہ ہر قسم کی محرومی سے پاک تھا۔

"میں نے بیاہ کر آپ کے گھر نہیں جانا، آپ بیاہ کر میرے گھر آئیں گی۔" حملو کو اس کی ناقص معلومات پر افسوس ہوا۔

"میں لاکھوں کا جہیز لے کر نہیں آؤں گی۔"
"تو گویا آپ ہمارے ہاں آنے پر رضامند ہو رہی ہیں۔" حماد اس کے جملے کو ہنسی میں اڑا گیا تھا۔
"میں گھر کے سب کام اپنے ہاتھوں سے کرتی ہوں۔"

"جی ہاں میری بھی یہ ہی مجبوری ہے کوئی دوسرا اپنے ہاتھ دینے پہ راضی ہی نہیں ہوتا۔" وہ کسی طور سنجیدہ نہیں ہو رہا تھا۔ زیبی کی آنکھیں بھر آئیں۔
"میں اپر کلاس لڑکیوں کی طرح الٹا سیدھا فیشن کر کے محفلوں میں نہیں جاسکتی۔" حماد نے دیکھا آنسو ایک لکیر کی صورت اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔
"ماہ زیب آپ صرف میرے دل میں رہیں گی یا میرے گھر میں، ہماری سوسائٹی میں ہر لڑکی شمع محفل بن سکتی ہے مگر مجھے ایک گھروالی کی ضرورت ہے جو اپنے ہاتھوں سے کھانا پکائے اور اپنے ہاتھوں سے کھلائے، جب میں باہر کی دوغلی دنیا سے نکل کر گھر میں قدم رکھوں تو اس کی بے ریا مسکراہٹ میری ساری تھکن سمیٹ لے۔ جو خود کو سنوارے تو میرے لیے۔" وہ کہتا رہا اور زیبی رخ موڑ کر ستون کے پاس آکھڑی ہوئی۔
"کیا میری توبہ اتنی جلدی قبول ہو گئی" اس نے تاروں بھرے سیاہ آسمان کو دیکھا۔
آنسوؤں سے طاقتور چیز اور کوئی نہیں کوئی بھی موقع ہو سارے بند توڑ دیتے ہیں۔ اس کا چہرہ بھی آنسوؤں سے بھیگ گیا تھا۔ کیوں...؟ یہ تو وہ بھی نہیں جانتی تھی۔ شاید خدا کے حضور توبہ قبول ہو جانے کی خوشی تھی۔
یا پھر یہ خوش کن احساس اسے رلا گیا تھا کہ اس دنیا میں کوئی ہے جو اپنے جذبوں کی سچائی کے ساتھ اس کا طلب گار ہے۔
"آپ کو میری بات اچھی نہیں لگی۔" وہ عین اس کے پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔ زیبی نے فوراً" آنسو پونچھ ڈالے۔
"کچھ تو بولیے یا پھر میں یہ سمجھ لوں کہ خاموشی اقرار کا دوسرا نام ہوتی ہے۔" اب کے زیبی دانستہ طور پر خاموش رہی تھی۔ البتہ اس کے لبوں کی دھیمی مسکان نے حماد کو بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ اس نے اطمینان بھرا سانس لے کر آسمان پہ ادھورے چاند کو دیکھا۔
"یہ چاند ادھورا ہے" اس کے کہنے پر زیبی نے سر اٹھا کر ادھورے چاند پہ نظریں گاڑ دیں۔
"پورا چاند انشاء اللہ ہم اپنے گھر میں دیکھیں گے۔" حماد کے لہجے میں یقین تھا۔
"چاند ادھورا کب ہے۔ یہ تو پورا ہو گیا ہے ابھی اسی لمحے" اس نے دل ہی دل میں سوچتے ہوئے اپنے ساتھ کھڑے اس شخص کو دیکھا جو اس کے خوابوں کا امین تھا۔